دی جس پر جرمنی نے جنگِ عظیم میں شکست کھانے کے بعد دستخط کیے تھے۔

حسین شہید سہروردی کے اعتراض پر ذوالفقار علی بھٹو نے اپنے ایک بیان میں کہا: "ماضی میں بھارت نے پاکستان کو براہ راست مذاکرات میں کئی بار مایوس کیا ہے۔ لیکن ایک آخری بار کوشش میں کیا ہرج ہے۔"

'سنڈے ٹائمز' نے اپنے نمائندہ خصوصی مقیم دہلی کے حوالے سے لکھا کہ پنڈت نہرو کی یقین دہانیوں کے باوجود کوئی بھی شخص جو بھارتی وزیر اعظم کے قریب ہے یہ یقین نہیں رکھتا کہ پنڈت نہرو کشمیر کے بارے میں کسی بڑی رعایت پر تیار ہو جائیں گے کیونکہ ان کے خیال میں کشمیر کا مسئلہ سرے سے موجود ہی نہیں ہے اور یہ مسئلہ ۱۹۴۸ء کے خطِ متارکہ جنگ کی بنیاد پر ریاست کی تقسیم کی صورت میں حل ہو چکا ہے۔ بھارتی وزیر اعظم نے حزبِ اختلاف کے شور و غوغا کا جواب دیتے ہوئے لوگ سبھا میں واضح کر دیا کہ مشترکہ اعلامیہ کے باوجود بھارت کشمیر میں موجودہ نظام کو درہم برہم کرنے پر آمادہ نہیں ہوگا۔

پنڈت نہرو کا یہ اعلان مذاکرات کو بے معنی بنانے کے مترادف تھا، اس کے بعد ۱۵ر دسمبر کو پنڈت نہرو نے ایک اور پیش قدمی کر کے لندن کے انڈی پنڈنٹ ٹیلی ویژن پروگرام کے لیے انٹرویو ریکارڈ کرتے ہوئے فرمایا۔

"جب تک چین کے ساتھ بھارت کا حدی تنازعہ طے نہیں ہوتا اُس وقت تک پاکستان کے ساتھ کشمیر کے بارے میں صحیح معنوں میں کوئی سمجھوتہ نہیں ہو سکتا، چین کے ساتھ لڑائی میں وادیِ کشمیر ہمارے لیے زبردست اہمیت رکھتی ہے کیونکہ یہ فوجی مواصلات کا اہم ذریعہ ہے چنانچہ موجودہ مرحلہ پر وادیِ کشمیر میں کسی قسم کا سرحدی تصفیہ ممکن نہیں۔"

ادھر پاکستان کی طرف سے یہ کہا جا رہا تھا کہ گو کہ بات چیت کی بنیاد استصواب عام ہی ہوگی، لیکن بھارت اگر کوئی متبادل حل تجویز کرے تو اس پر بھی غور کرنے کو ہم تیار ہیں۔

۱۵ر دسمبر کو راولپنڈی ہی میں صدر ایوب خاں نے یہ بات دُہراتے ہوئے کہا:

"کشمیر کا اصل حل تو استصواب ہی ہے لیکن اگر دوسرے فریق کے پاس کوئی بہتر حل موجود ہے تو پاکستان اس پر غور کرنے کے لیے تیار ہوگا۔"

ذوالفقار علی بھٹو نے اس بات پر زور دیا کہ خیر سگالی کی فضا مسئلہ کشمیر کے حل سے جڑی ہوئی ہے، مگر مذاکرات کے بعد مشترکہ اعلامیہ جاری کیا گیا اس میں سردار سورن سنگھ کا یہ موقف تسلیم کیا گیا۔ مشترکہ اعلامیہ میں دونوں ملکوں کے رہنماؤں، حکام، پریس، اور ریڈیو سے اپیل کی گئی کہ وہ کشمیر کے مسئلہ پر اختلاف ختم کرنے کے لیے دوستانہ ماحول پیدا کرنے میں مدد دیں۔

بات چیت کا اگلا دور ۱۵ر جنوری ۱۹۶۳ء کو دہلی میں کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔

دہلی کی یہ بات چیت پہلے دور کی بات چیت سے کچھ مختلف ضرور تھی، دونوں طرف کشمیر مل بانٹ کر کھانے کا ذکر کیا گیا۔ اگلے دور کی جو بات چیت کراچی میں ہوئی تو پریس ایسوسی ایشن نے یہ خبر دی۔

"دونوں ممالک بعض شرائط کے تحت کشمیر کی تقسیم کی تجویز منظور کرنے پر آمادہ ہو گئے۔"

پاکستان کی طرف سے شرائط حسب ذیل تھیں۔

(۱) تقسیم کے دوران آبادی اور مسلمانوں کی اکثریت کو اہمیت دی جائے۔

(۲) پاکستان کے اقتصادی اور دفاعی مفادات کا خیال رکھا جائے۔

(۳) یہ کشمیری باشندوں کے لیے قابل قبول ہو۔"

لندن ٹیلیگراف اور امریکہ کی نیشنل براڈ کاسٹنگ کارپوریشن کی اطلاع کے مطابق صدر ایوب خاں تقسیم کشمیر کے اس منصوبہ سے متفق تھے۔

تقسیم کشمیر پر بحث کے دوران بھارت سرینگر سمیت وادی کے ایک بہت بڑے حصے سے دست بردار ہونے کو تیار نہ تھا، اور پاکستان ہندو اکثریت کے علاقے چھوڑ کر ساری وادی پاکستان میں شامل کرانے پر بضد تھا۔

اگلے روز کراچی میں پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے سردار سورن سنگھ نے کہا۔ "پاکستان کا موقف یہ ہے کہ وہ وادیِ کشمیر سے دست بردار نہیں ہوگا، لیکن بھارت اگر وادی کو پاکستان کے حوالے کر دے تو ایک غیر تحریری معاہدے کے تحت بھارت کو چین سے لڑائی کی صورت میں اُسی طرح وادی کے راستے لداخ تک رسائی کی سہولتیں مل سکتی ہیں جس طرح اُسے آسام کے لیے مشرقی پاکستان کے راستے فوجی نقل حمل کی سہولتیں دی

جاسکتی ہیں۔

ڈیلی ٹیلیگراف لندن ۱۶ر فروری ۱۹۶۳ء کے مطابق۔

"کشمیر کی تقسیم کا ایک منصوبہ امریکہ کا تیار کردہ بھی تھا جس کی حمایت برطانیہ کر رہا تھا، اس منصوبے کے مطابق ـــ وادی کا ایک بڑا حصہ جس میں سرینگر بھی شامل تھا، بھارت کے پاس رہتا، یعنی جنوبی حصہ مکمل طور پر بھارت کے قبضہ میں ہوا ور شمالی حصے کو اس طرح تقسیم کیا جائے کہ جموں سے ۲۰ میل شمال اور سرینگر سے مشرق تک کا تمام علاقہ بھارت کو مل جائے جس میں چھوٹی چھوٹی کئی جھیلیں ہیں۔"

پاکستان کے حصے میں ولر جھیل، دریائے جہلم کا منبع اور وادی کا شمال مغربی حصہ آئے، جموں اور اودھم پور کے شہر اور ریاست کا جنوب مشرقی علاقہ بھی بھارت کے پاس رہے۔ تقسیم کشمیر کے فارمولہ پر جب اندرونی اور بیرونی ممالک کے اخبارات میں تبصرے ہونے لگے تو دونوں ممالک بھارت اور پاکستان کو زبردست مخالفت کا سامنا کرنا پڑا۔



(مولانا ابوالاعلیٰ مودودی)

جماعتِ اسلامی پاکستان کے امیر جماعت مولانا ابوالاعلیٰ مودودی نے ایک بیان میں کہا:۔

"کشمیر محض پہاڑوں اور وادیوں کا نام نہیں کہ اسے بے فکری سے تقسیم کر لیا جائے بلکہ وہ پچاس لاکھ جیتے جاگتے انسانوں کا نام ہے اور یہ انسان بھیڑ بکریاں نہیں جن کا سودا چکانے کا کسی کو حق پہنچتا ہو!"

نوائے وقت کے تبصرہ نگار نے یہ دلیل دی:

"سیاست میں بلاشبہ حتمیت اور قطعیت نہیں ہوتی اور اس کے نقشے میں ہر وقت تبدیلی کا امکان موجود رہتا ہے لیکن اس بات کو فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ ایک با اصول سیاست داں کے ذہن میں ایک ایسا بنیادی خاکہ بہرحال ضرور ہوتا ہے جس میں کسی قسم کا تغیر و تبدل گوارا

نہیں کر سکتا، ۱۵ سال میں ہم پوری دنیا کو یہ باور کراتے رہے ہیں کہ کشمیر کو نہ ہم خود قوت کے زور سے اپنے ساتھ شامل کرنا چاہتے ہیں اور نہ یہ حق ہندو سنان کو دینے ہیں بلکہ اس امر کا فیصلہ کہ یہ خطہ ہمارے ساتھ الحاق کرے یا بھارت کے ساتھ سراسر کشمیری عوام کی مرضی پر موقوف ہے یہی ایک موقف ہے جس کی تائید عدل و انصاف اور اخلاق سے ہوتی ہے اور اس معاملے میں ہم پوری انسانیت کے ضمیر کو اپیل کر سکتے ہیں، اب اس وقت اگر ہم اپنے اخلاقی موقف کو چھوڑ کر کشمیر کی تقسیم پر رضامند ہو جائیں تو دنیا میں آخر ہماری کیا وقعت باقی رہ جائے گی۔"

رائے عامہ کے بروقت اور بھرپور اظہار نے کشمیر کی تقسیم کے منصوبہ کو پایۂ تکمیل تک پہنچنے سے پہلے ہی ناکام بنا دیا اور دونوں حکومتوں میں سے کوئی بھی جرأت نہ کر سکی کہ رائے عامہ کے اس شدید دباؤ کو نظر انداز کر کے اس سمت میں کوئی قدم اٹھا سکے۔

کراچی کے بعد دہلی میں کانفرنس میں بات چیت کو ناکامی سے بچانے کے لیے امریکہ اور برطانیہ کی طرف سے یہ تجویز دونوں ملکوں کے سامنے رکھی گئی کہ وہ مذاکرات میں مصالحت کنندہ کو شامل کر لیں تاکہ متنازعہ فیہ امور پر فیصلہ کیا جا سکے، امریکی اور برطانوی ڈپلومیٹ سے تفصیلات طلب کی گئیں کہ:

"(۱) یہ واضح کیا جائے کہ کون کون سے امور مصالحت کنندہ کو سونپے جائیں گے۔

(۲) مصالحت کنندہ کو اپنی کوششوں کے لیے کتنی مدت دی جائے گی۔"

جب اس کا کوئی معقول جواب نہیں ملا تو مصالحت کنندہ کا فارمولہ آگے نہ بڑھ سکا بات چیت کا چھٹا دور جب دہلی میں شروع ہوا تو سیاسی مبصرین کا خیال تھا اب کوئی معجزہ ہی کانفرنس کو ناکامی سے بچا سکتا ہے۔

آخر ۱۶ر مئی ۱۹۶۳ء کو دہلی کے مشترکہ اعلامیہ میں بڑے افسوس کے ساتھ، یہ اعلان کیا گیا کہ "بات چیت ناکام ہو گئی ہے۔"



مُوئے مقدّس صلعم

کشمیر کی اجتماعی زندگی کا ایک اہم نشان

جنہیں اپنی جائے پاک سے اُٹھا کر ایک بدترین حرکت کی گئی

کُھلے تھے لب کہ اُس نے کاٹ کر زباں رکھدی
کہ ہمیشہ کے لیے تہ کر کے غم کی داستاں رکھدی

مُوئے مقدّس صلعم کی گمشدگی اور اُس کے اسباب

ریاست جموں و کشمیر میں بخشی غلام محمد کی حکومت رشوت خوری، کنبہ پروری، لوٹ کھسوٹ اور ظلم و جبر کی کاروائیوں سے خاصی بدنام ہو چکی تھی۔ مرکزی سرکار کے پاس بخشی برادران کے بارے میں شکایات کا ایک انبار جمع ہو گیا تھا۔ بخشی برادران کی اپیل پر پنڈت نہرو کی توجہ مبذول کرائی گئی تو انھوں نے شکایت کنندگان کو بتایا کہ بخشی غلام محمد کے دورِ حکومت میں جس نے جو منہ سے نکل لیا سمجھو وہ سب ضائع ہو گیا البتہ جو زمین جائداد اور عمارتیں موجود ہیں ان کو کسی بھی وقت قومی ملکیت میں لیا جا سکتا ہے۔ پنڈت نہرو کی یہ دلیل اگرچہ معقول تھی لیکن تب سے اب تک کسی بھی سرکار نے لوٹ کھسوٹ سے حاصل کی گئی زمین جائداد اور کرپشن سے بنائی گئی بلڈنگیں قومی ملکیت میں نہیں لیں۔ مرکزی سرکار نے کتنی بار بخشی غلام محمد سے چھٹکارا پانے کی کوشش کی لیکن بھارت کے ان کی وفاداری خاص طور پر شیخ عبداللہ سے نمٹنے کا ان کا کارنامہ مدنظر رکھ کر ان پر ہاتھ ڈالنے سے احتراز کیا گیا۔

لیکن چینی حملہ میں حواس باختہ ہونے کے بعد جب ایسے بدنامِ زمانہ افراد سے نجات پانے کا فیصلہ کیا گیا تو کامراج نادار نے اس کے لیے ایک پلان بنایا۔

کامراج نے تامل ناڈو کی ریاست میں ایک لمبے عرصے تک وزیرِ اعلیٰ رہنے کے بعد مرکزی کابینہ میں آکر یہ فارمولہ پیش کیا کہ سبھی سینئر کانگریسی لیڈر جو مرکز یا ریاستوں میں

اقتدار کی پہلی صف میں موجود ہیں اپنے استعفے وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو کو پیش کریں اور اس کے بعد اس بات کا فیصلہ وزیر اعظم پر ہی چھوڑ دیا جائے کہ وہ کس کو وزارت کے منصب پر برقرار رہنے کی اجازت دیتے ہیں اور کس کا استعفیٰ منظور کر کے اسے تنظیمی محاذ پر بھیج دیتے ہیں۔

در اصل یہ جواہر لال کی اپنی تجویز تھی جسے انھوں نے کامراج کے ذریعے روبہ عمل لانے کا فیصلہ کیا۔ یہ تجویز اگست ۱۹۶۳ء میں پیش کی گئی اور اس کے تحت بعض اہم مرکزی وزراء جن میں مرارجی ڈیسائی، لال بہادر شاستری، جگ جیون رام، کامراج نادار، چندر بھان گپتا بھی شامل تھے، مستعفی ہو گئے۔ مرکزی وزراء کے ساتھ ریاست جموں وکشمیر کے وزیر اعظم بخشی غلام محمد نے بھی اپنا استعفیٰ پیش کیا۔ اور پنڈت نہرو نے پہلی فرصت میں صرف ان کا ہی استعفیٰ منظور کر کے اس بات کو پایۂ تکمیل تک پہنچا دیا یہ سارا کھیل محض ان کے لیے ہی کھیلا گیا تھا۔

بخشی غلام محمد کے استعفے کی خبر نشر ہوتے ہی جموں وکشمیر میں ان کے حامی مشتعل ہو گئے اور انھوں نے مرکزی سرکار کی اس کاروائی کے خلاف احتجاجی جلوس نکالے۔

"پنڈت جی پھر سوچو، استعفیٰ واپس لو"

کے نعرے لگانے والے آخر تھک ہار کر بیٹھ گئے، بخشی غلام محمد بازی ہار کر دہلی سے سرینگر آئے تو اپنی پارٹی کے عہدیداروں سے لیکر معمولی ورکروں نے بھی ان سے اس غلطی کے بارے میں باز پرس کی مگر ان کے پاس سوائے اس کے اور کوئی جواب نہ تھا کہ میں نے اپنی مرضی سے پارٹی ڈسپلن کے لیے استعفیٰ دیا ہے اور اس کو اب واپس نہیں لیا جا سکتا۔

بخشی غلام محمد سے چھٹکارا پانے کے بعد پنڈت جواہر لال نہرو نے خواجہ غلام محمد صادق کو وزیر اعظم مقرر کرنے کا فیصلہ کر لیا تو بخشی غلام محمد نے اس کی مخالفت کی، چونکہ اسمبلی میں بخشی غلام محمد کے حامیوں کی اکثریت تھی اس لیے ان کے آشیرواد کے بغیر خواجہ غلام محمد صادق کا وزیر اعظم بننا مشکل تھا، پنڈت نہرو نے اس عہدے پر فائز کرنے کے لیے صادق صاحب کے لیے جتنا زور لگایا اتنا ہی بخشی غلام محمد نے اس کی مخالفت کی، بخشی غلام محمد کو اس بات کا ڈر تھا، صادق صاحب وزارت عظمیٰ کا عہدہ سنبھال کر نہ صرف ان کے حامیوں کا قافیہ تنگ کریں گے بلکہ وہ ان کا محاسبہ بھی کرائیں گے، بخشی صاحب بخوبی جانتے تھے مرکزی

سرکار کے پاس ان کے برادران اور دوسرے احباب کی لوٹ کھسوٹ کی تمام رپورٹیں صادق صاحب ہی نے مرکز تک پہنچا دی تھیں۔

بخشی صاحب کی مخالفت سے جب صادق صاحب کا معاملہ کھٹائی میں پڑ گیا تو بخشی صاحب سے پوچھا گیا اگر صادق صاحب وزیر اعظم نہیں تو پھر کون؟"

بخشی غلام محمد نے اپنے رشتے دار بخشی عبدالرشید کا نام تجویز کیا جو نیشنل کانفرنس کے جنرل سکریٹری تھے، مرکز نے بخشی رشید کو اس عہدے کے لیے ناموزوں سمجھ کر نامنظور کیا اور کوئی اور شخصیت تجویز کرنے کو کہا گیا۔

بخشی صاحب نے کابینہ کے ایک وزیر خواجہ شمس الدین کا نام پیش کیا جسے مرکزی سرکار نے بادل ناخواستہ قبول کیا۔

چنانچہ ۱۱ اکتوبر ۱۹۶۳ء کو خواجہ شمس الدین ریاست کے وزیر اعظم بنائے گئے خواجہ شمس الدین محض دکھاوے کے وزیر اعظم بنائے گئے تھے اصل میں ساری پاور بخشی غلام محمد نے اپنے ہاتھ میں رکھی وہ خود ریاستی منصوبہ بندی کمیشن کے چیرمین بنے رہے۔ انھوں نے سول سکریٹریٹ میں منصوبہ بندی کے چیرمین کا دفتر وزیر اعظم کے دفتر کے پاس ہی رکھا جہاں سے وہ براہ راست احکامات دیا کرتے تھے۔

شمس الدین کی کابینہ کے سارے وزراء کا تقرر بھی بخشی صاحب کے اشارے پر کیا گیا۔ انھوں نے غلام محمد صادق، ڈی پی دھر، گردھاری لال ڈوگرہ اور سید میر قاسم کو کی کابینہ سے ڈراپ کیا۔ اس طرح حکومت کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں رکھی۔

خواجہ شمس الدین کو وزیر اعظم مقرر کیا گیا تو بخشی رشید نے اسے اپنی توہین کے مترادف سمجھا، ان کے ہوتے ہوئے ایک غیر معروف شخص کو وزیر اعظم کے عہدے پر مامور کرنا ان کے لیے زہر کے گھونٹ پینے کے برابر تھا جو انھوں نے وقتی طور پر تو پی لیا لیکن اب وہ اس دن کا انتظار کرنے لگا جب وہ مرکزی سرکار سے اس توہین کا بدلہ لے کر انھیں اپنے سامنے جھکنے کے لیے مجبور کرے۔

اس کے لیے انھوں نے موئے مقدس صلعم کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کرنے کا پلان بنایا دسمبر جیسی زمستان میں حضرت بل کے آستانے سے پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے موئے شریف کی گمشدگی کی خبر نے وادی کشمیر میں آگ سی لگا دی۔

۲۷ر دسمبر ۱۹۶۳ء کی صبح کو موئے شریفؐ کی گمشدگی کی خبر سے لوگ ششدر رہ گئے۔

۲۶ر دسمبر کو کسی صاحب اثر و رسوخ کے کہنے پر مجاور درگاہ عبدالرحیم بانڈے نے اس موئے شریفؐ کا نجی طور پر دیدار کرایا تھا۔ دراصل یہ نجی دیدار اس کی نشاندہی کے لیے کیا گیا تھا۔ صبح کو اس کمرے کا دروازہ کا قفل توڑا پایا گیا۔ جس کمرے میں موئے مقدسؐ چوب دار صندوقچے میں ہوا کرتا تھا۔ اس چوبی صندوقچے کو کھلا چھوڑ دیا گیا تھا۔

موئے مقدسؐ کی گمشدگی کی خبر آناً فاناً چاروں طرف پھیل گئی۔ یہ موسم کشمیر میں سردیوں کے نقطۂ عروج یعنی 'چلّہ کلاں' کا زمانہ تھا اور برف باری ہو رہی تھی۔ کشمیر کے کونے کونے میں یہ خبر پھیل گئی تو پہلے لوگ اس جھٹکے سے دم بخود ہو گئے۔ پھر وہ اس گمشدگی کی خبر کے بارے میں تصدیق کرنے لگے۔ تفصیلات آنے کے ساتھ ساتھ لوگ سڑکوں گلی کوچوں میں جمع ہونے لگے۔

پھر دیکھتے ہی دیکھتے اس بدبختانہ حرکت کے خلاف لوگ واویلا اور احتجاج کرنے لگے۔ حکومت کے خلاف ایجی ٹیشن شروع ہو گیا۔ تو ریاستی سرکار کے ساتھ مرکزی سرکار لرز اُٹھی، ہر طرف ایک کہرام مچ گیا۔ مرد و زن بوڑھے اور بچے نوحہ کناں سڑکوں پر اُمنڈ آئے۔ چلّہ کلاں کی زمہریری اور ٹھنڈی ہوائیں عقیدت کے شعلوں کو بجھانے کے بجائے انہیں اور بھڑکانے لگیں، ساری وادی میں مکمل ہڑتال ہو گئی، کاروباری ادارے بند ہو گئے، احتجاجی اور ماتمی مظاہروں کا لامتناہی سلسلہ شروع ہو گیا۔ حکومت عضوِ معطّل بن کر رہ گئی۔

سرینگر میں ایک بہت بڑا جلوس جب لال چوک پہنچا تو بخشی عبدالرشید جو لال چوک کے لیبر یونین کے دفتر میں تاک میں بیٹھا تھا۔ نیچے آیا اور ایک جیپ گاڑی میں بیٹھ کر بڑی تیزی سے عوام کے سامنے آ گیا اور ان کی قیادت کرنے کی آڑ میں جیپ کے بونٹ پر کھڑا ہوا ابھی وہ کچھ بولنے ہی والا تھا کہ ایک کانگڑی لہراتی ہوئی آ کر اس کے سینے کے ساتھ ٹکرائی، پھر کیا تھا کانگڑیوں کی گویا ان پر بارش ہو گئی اور وہ بڑی مشکل سے اپنی جان بچا کر رفوچکر ہو گئے، اس جمگھٹے میں بخشی رشید پر ایسی مار پڑ گئی کہ وہ پھر اُٹھ نہ سکے اور نہ ہی مرتے دم تک پبلک کے سامنے آ سکے۔ بخشی رشید جان بچانے میں کامیاب تو ہوئے لیکن مشتعل ہجوم نے بخشی برادران کی پراپرٹی نذرِ آتش کرنے میں جو پہل کی اس نے

مشتری کو حرکت میں آنے کا موقع فراہم کر دیا، لیکن عوامی غیض و غضب کے سامنے کی ایک نہ چلی۔

وادیٔ کشمیر میں موئے مقدّس صلعم کی گمشدگی کے ساتھ بخشی برادران کی املاک کو نذر کرانے کی خبر ساری دُنیا میں پھیل گئی، مرکزی سرکار کے ایوان میں ایک زلزلہ سا آ گیا۔


(لال بہادر شاستری)

لال بہادر شاستری کے ساتھ سُراغ رسانی کے کئی اعلیٰ سرینگر روانہ کیے گئے۔

اس دوران سارا کشمیر احتجاجی مظاہروں کی لپیٹ میں ٹھٹھرتی سردی میں تمام لوگوں نے گھر بار کو خیرباد سڑکوں پر بسیرا شروع کر دیا۔ جگہ جگہ لنگر لگائے گئے جہاں پیٹ کی آگ بجھا کر مرد، عورتیں بوڑھے اور بچے موئے شریفؐ کے حصول کے لیے واویلا، گریہ و زاری کے ساتھ احتجاجی مظاہرے کرتے تھے۔

وادی کے تمام قصبوں اور دیہاتوں سے سرینگر کی طرف لوگوں کا پیدل مارچ شروع دیہات سے چاول آٹا اور دوسری خوردنی چیزیں بڑی مقدار میں آنے لگیں۔ اداروں اور کاروباری اداروں کی طرف سے فراخ دلی کے مظاہرے میں کھانے لازمی اشیاء کی قیمتیں یکایک زمین پر آ گئیں۔ برادری اور اُخوّت کے وہ مظاہرے نے میں آئے جن کی مثال ملنی مشکل ہے۔ مسلمانوں کے دو بڑے مکتب خیال لوگ اور سنّی ہم آواز و ہم پرواز ہو گئے۔ پانچ روز کی شائستہ منظم اور باوقار ایجی کے بعد جب منتظمین کی طرف سے کفن پہن کر حصولِ موئے مقدّسؐ کے لیے جان قربان کر دینے کا اعلان کیا گیا تو موئے مقدّس کی بازیافت ہو گئی۔

۴ر جنوری ۱۹۶۴ء کو ریڈیو کشمیر سرینگر سے اس بازیافت کا اعلان کیا گیا تو لوگ کا سیلاب رُک گیا۔

ڈاکٹر کرن سنگھ، لال بہادر شاستری، مسٹر وشوا ناتھن اور آئی بی کے ڈائرکٹر ین ملک کی موجودگی میں وادی کے بعض سیاستدانوں اور مولویوں سے اس موئے کی شناخت کرائی گئی اور اس کے ملزم کو پیش کرنے کا اعلان بار بار دُہرایا گیا۔

اگرچہ سرکاری طور پر "موئے شریف" کو اپنی جائے پاک سے اُٹھانے والے کی آج تک نشا
نہیں کی گئی۔ لیکن اس کے لیے موئے شریف" کی گمشدگی کے ساتھ ہی علاقہ ترال کے
عبدالرشید نامی ایک ایگریکلچر اسسٹنٹ کو حراست میں لیا گیا تھا، کیونکہ یہ پہلا شخص
تھا جو سرینگر میں قیام کے دوران ایسی المناک خبر سُن کر سب سے پہلے حضرت بل گیا اور وا
پولیس کے ہاتھوں گرفتار ہوگیا۔

ویسے موئے مقدسؐ کی بازیابی کے جو چشم دید گواہ ہیں ان میں بی، این ملک، ڈاکٹر
کرن سنگھ سرفہرست ہیں، موئے مقدسؐ کی بازیابی بخشی
عبدالرشید کی نشان دہی پر مسکین باغ کے ایک ہاؤس بوٹ کے
تیسرے کمرے سے ہوگئی۔ اس کمرے کے شلف میں یہ ایک سبز
رنگ کے مخمل کے کپڑے میں لپیٹ کر رکھ دیا گیا تھا۔ مسکین باغ میں
جہاں یہ ہاؤس بوٹ تھا وہاں پاس ہی بخشی عبدالمجید کی رہائش گاہ
بھی تھی۔


(بخشی عبدالرشید)

اس روز صبح سویرے بخشی عبدالرشید کو ہتھکڑیاں پہنا کر
مسکین باغ لایا گیا۔ سُراغ رساں کتّے نے کئی دوڑیں لگا کر جب
ہاؤس بوٹ کے پاس بار بار رُک کر زمین کھُرچنی شروع کی تو بخشی
عبدالرشید نے اقرار کر لیا اور ان کی نشاندہی پر ہاؤس بوٹ کے تیسرے کمرے کے
شلف سے موئے مقدسؐ حاصل کیا گیا۔

موئے مقدس کو حاصل کر لینے کے بعد بخشی رشید کو ایک جیپ میں بٹھا دیا گیا قبل
اس کے کہ یہ جیپ یہاں سے روانہ ہو جاتی ڈاکٹر کرن سنگھ کی ہدایت پر اس جیپ کے
فرنٹ شیشے پر کیچڑ مَل دی گئی تاکہ راستے میں اس کے اندر بیٹھنے والوں کو کوئی پہچان نہ
سکے، صرف ڈرائیور کے سامنے شیشے کا ایک حصّہ صاف رکھا گیا۔ بی، این، ملک نے
بخشی رشید کو جیپ میں اپنی تحویل میں رکھ دیا۔ مسکین باغ سے جیپ نکال کر ڈل گیٹ
کے راستے صدر ریاست کی قیام گاہ پر لائی گئی۔

بخشی رشید سے اس حرکت کے بارے میں تفتیش ہو رہی تھی اور ادھر سرکاری
طور پر ریڈیو کے ذریعے موئے مقدس کی بازیابی کا اعلان بار بار دُہرایا جا رہا تھا، عوام

ملزم کا نام بتانے کا یقین دلایا جا رہا تھا، بخشی رشید نے دوران تفتیش جب
جواہر لال نہرو کو اپنے بچاؤ کے لیے اس میں ملوث کر دیا تو ایک گمبھیر مسئلہ کھڑا
ہو گیا۔ پنڈت نہرو کے ساتھ ٹیلیفون پر رابطہ قائم کر کے جب انھیں اس صورتحال
سے آگاہ کیا گیا تو پنڈت نہرو اس جھوٹ پر سخت تلملا اُٹھے، لیکن بخشی رشید کو اپنے
بچاؤ کے لیے جو ہتھیار مل گیا وہ اس کا استعمال کرنے لگے۔ بخشی رشید نے تفتیش کنندگان
کے سامنے واضح کر دیا اگر مجھے اس کیس میں ملوث کیا گیا تو میں یہ کہنے میں ہرگز نہیں
ہچکچاؤں گا۔ "ایسا کرنے کے لیے مجھ سے پنڈت نہرو نے کہا"۔

اس صورتِ حال کو مدِنظر رکھ کر موئے مقدسؐ کے اصلی ملزم کا افشا ملتوی ہو گیا
اور بہت آہستہ یہ النوار اتنا طول پکڑ گیا کہ برسوں کے بعد بھی اصلی ملزم کو پیش
نہیں کیا گیا — اور نہ کیا جائے گا۔


خواجہ ثناء اللہ بٹ

سرینگر کے ایک نامور اخبار روزنامہ "آفتاب" کے مدیر اعلیٰ
خواجہ ثناء اللہ بٹ نے اپنی کتاب "کشمیر ۱۹۴۷ سے ۱۹۷۷ء تک" میں
موئے مبارکؐ کی گمشدگی اور بازیابی کے بارے میں جو تفصیلات
دی ہیں اس کے مطابق موئے مقدس کی بازیابی نہ صرف مشکوک
ہو گئی بلکہ اس کے اصلی ہونے کے شکوک بھی پیدا کیے گئے۔
اس سلسلے میں بٹ صاحب نے جو دلیل دی ہے اس کی معقولیت سے
انکار نہیں کیا جا سکتا۔ انھوں نے لکھا ہے:۔

"۔۔۔۔ لال بہادر شاستری ۳۰ر جنوری ۱۹۶۴ء کو دوبارہ سرینگر
آئے اور یہاں انھوں نے مولانا مسعودی، شیخ فاروق، مولوی فاروق
اور دوسرے علماء، بخشی غلام محمد، وزیر اعظم شمس الدین اور اعلیٰ
افسروں کے ساتھ الگ الگ ملاقاتیں کیں۔

مسٹر شاستری کی آمد کے دو دن بعد مولانا مسعودی نے مجھے بتایا
کہ حکومت کا یہ منصوبہ ہے کہ ۵ر فروری کو زبردست اور کڑے پہرے
میں مسلّمہ روایات کے خلاف سرکاری اہتمام کے ساتھ موئے مبارک
کا دیدار کرانے کا انتظام کیا جائے، جس کے بہت بُرے نتائج نکل سکتے ہیں

اور خون خرابہ ہو سکتا ہے۔

چنانچہ میں اسی دن بخشی صاحب سے ملا۔ میں نے انہیں بتایا کہ موئے مبارکؐ کی باقاعدہ شناخت اور تصدیق کے بغیر دیدار کا اہتمام بہت خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔ اور ہو سکتا ہے کہ اس معاملے پر خون خرابہ ہو لیکن بخشی صاحب موئے مبارک کی شناخت یا ان کی تصدیق کروانے کے لیے بالکل تیار نہ تھے اور انہوں نے کہا ایسا کسی صورت میں نہیں ہو سکتا اور اگر ایسا ہوا یعنی موئے مبارکؐ کی شناخت اور تصدیق حاصل کرنے کی کوشش کی گئی تو اس پر اس سے کہیں زیادہ خون خرابہ ہونے کا احتمال ہے جو شناخت اور تصدیق کے بغیر ان کے دیدار کے موقع پر ہو سکتا ہے اس لیے آپ کو بھی چاہیے کہ آپ شناخت اور تصدیق کی وکالت سے باز رہیں میں نے بڑی عاجزی کے ساتھ ان سے کہا کہ اگر اس معاملے کی باقاعدہ شناخت اور تصدیق نہ کروائی گئی تو یہ بہت بڑی بدقسمتی ہوگی کیونکہ اس طرح یہاں کے مسلمانوں میں نسل در نسل شک و شبہات اور اختلافات قایم رہیں گے۔ لیکن اس کے باوجود بخشی صاحب اپنے فیصلے پر قائم رہے اور کہا۔ موئے مبارک کی شناخت اور تصدیق کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کیونکہ جب لوگوں سے ان کی تصدیق یا شناخت کروائی جائے گی وہ انہیں اصلی تسلیم نہیں کریں گے اور کوئی حکومت ایسا خطرہ مول لینے پر تیار نہیں ہو سکتی۔

اس اگلے دو روز کے اندر درپردہ اور خفیہ طور پر جو کچھ ہوتا رہا اس کے نتیجے میں ۳ر فروری ۱۹۶۴ء کو نہایت پُراثر اور ڈرامائی انداز میں اور بالکل اچانک طور پر مولانا سعید مسعودی، مولوی محمد فاروق، شالیمار کے سید میرک شاہ کاشانی اور ایکشن کمیٹی کے کچھ ممبروں کو درگاہ حضرت بل پہنچایا گیا۔ جہاں لال بہادر شاستری ریاست کے وزیر اعظم شمس الدین انسپکٹر جنرل پولیس اور بہت سے دوسرے اعلیٰ آفیسر بھی موجود تھے چنانچہ درگاہ کے حجرہ خاص کے باہر مسجد میں سب لوگ ادب و احترام کے ساتھ بیٹھ

[illegible] اور ان سب کی موجودگی میں درگاہ کے متولی خواجہ نورالدین بانڈے [illegible] صندوق اپنے دونوں ہاتھوں میں تھامے حجرۂ خاص سے باہر آئے [illegible] سب لوگ موجود تھے، ان کے آتے ہی مولانا مسعودی نے اُن کی [illegible] روئے سخن کرتے ہوئے کہا:

نور صاحب! آپ اور ہم سب اس وقت خدا کے گھر میں ہیں اور [illegible] کریم آپ کے سامنے کھلا ہوا رکھا ہوا ہے، اس لیے آپ جو کچھ کہیں گے [illegible] کو حاضر و ناضر جان کر سچ کہیں گے۔

اس پر نورالدین بانڈے نے کہا۔ میں خدا اور رسول صلعم کو حاضر و ناضر جان کر سچ کہتا ہوں کہ میری دانست میں یہ موئے مبارکؐ رسول اللہؐ کے ہیں۔

اس پر سب مسلمان حاضرین نے بلند آواز میں درود و سلام اور مولانا میرک شاہ کاشانی نے برجستہ طور پر یہ شعر پڑھا ؎

کیا شانِ احمدی کا چمن میں ظہور ہے
ہر گل میں ہر شجر میں محمدؐ کا نور ہے

درگاہ حضرت بل میں تقریباً چالیس منٹ تک کی اس مختصر مگر مخصوص تقریب کے بعد یہ اعلان کر دیا گیا کہ موئے مبارکؐ کی شناخت اور تصدیق ہو گئی ہے، اور ان کا دیدار عام ۵ر اور ۶ر فروری کو کروایا جا رہا ہے۔ اس اعلان کو لوگوں نے نہایت مجبوری، بے دلی، تذبذب شک و شبہے اور محتاط طریقے پر سنا لوگوں کے دل اس اعلان کو سچ تسلیم نہیں کرتے تھے لیکن اس کے باوجود وہ خاموش رہے اسی دن شام کو نئی دہلی میں اعلان کیا گیا کہ وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو نے لال بہادر شاستری کو امور [illegible] کا پورٹ فولیو عطا کیا تب تک شاستری وزیر بے محکمہ تھے۔

سرینگر میں ۶ر فروری کو عرس چہار یارؓ کی تقریب سعید پر موئے [illegible] کا دیدار عام کروایا جا رہا تھا، اور اِدھر اقوام متحدہ کی سلامتی [illegible] نسل میں اُسی دن کشمیر کے سوال اور موئے مبارک کی گمشدگی پر

پاکستان کے وزیر خارجہ مسٹر ذوالفقار علی بھٹو اور ہندوستان کے نمائندے مسٹر کریم بھائی چھاگلہ کے درمیان بحث و تکرار ہو رہی تھی لیکن نہ تو کسی کو یہ بتایا گیا کہ موئے مبارکؐ کون اُٹھا کر لے گیا اور نہ یہ بتایا گیا انہیں واپس درگاہ حضرت بل میں کون چھوڑا گیا تھا۔

۱۲ر فروری کو ہندوستان کے وزیر داخلہ گلزاری لال نندہ نے پارلیمنٹ میں اعلان کیا کہ درگاہ حضرت بل سے موئے مبارک کی چوری کے واقعہ کی تحقیقات مکمل کرنے میں ابھی ایک اور ہفتہ لگے گا۔ اور اسکے فوراً بعد یہ معاملہ کسی عدالت میں پیش کر لیا جائے گا۔ جن لوگوں نے یہ حرکت کی وہ پولیس کی تحویل میں ہیں ان کے نام نہیں بتائے جا سکتے۔

۱۷ر فروری کو پارلیمنٹ میں ایک اور بیان میں شری گلزاری لال نندہ نے اعلان کیا کہ درگاہ حضرت بل سرینگر سے موئے مبارک لے جانے کے سلسلے میں اب تک تین اشخاص کو گرفتار کیا گیا ان میں ایک درگاہ حضرت بل کے متولی عبدالرحیم بانڈے دوسرا ترال کا عبدالرشید اور تیسرا قادر بٹ ہے، (انہوں نے رمضان بٹ کے بجائے قادر بٹ بتایا۔ ش۔ق) مسٹر نندہ نے ایوان کو بتایا کہ عبدالرشید کو اس وقت گرفتار کیا گیا تھا جب وہ موئے مبارکؐ اپنی جگہ پر واپس[1] رکھنے کے لیے درگاہ حضرت بل آیا تھا اور قادر بٹ[2] پاکستان آتا جاتا رہتا تھا، مسٹر نندہ نے یہ نہیں بتایا قادر بٹ کہاں کا رہنے والا ہے اور اُسے کہاں پکڑا گیا تھا۔ البتہ بعد میں کشمیر پولیس کے ایک متعلقہ افسر نے مجھے بتایا کہ درگاہ حضرت بل کے واقعہ

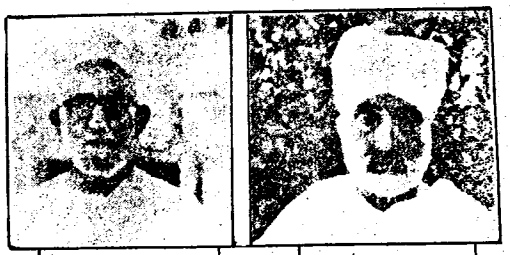
---

[1] حقیقت تو یہ ہے کہ عبدالرشید کو اُسی روز گرفتار کر لیا گیا جس روز موئے شریفؐ کے گم ہونے کی اطلاع ملی۔

[2] اس دوران دیا رگام کا رمضان بٹ گرفتار ہوا تھا اور یہ پاکستان کی سرحد سے ہندوستان کی سرحد میں داخل ہونے کے دوران پکڑا گیا تھا، وہ پاکستان سے محاذِ رائے شماری کے لیے ایک لاکھ کی رقم لایا تھا، جو ضبط کر لی گئی۔

میں ملوّث قادر بٹ نام کا کوئی شخص گرفتار نہیں ہوا ہے، البتہ عبدالرحیم بانڈے اور ترال کا ایک سرکاری ملازم اسسٹنٹ ایگریکلچر عبدالرشید ہماری تحویل میں ہیں۔"

خواجہ ثناء اللہ بٹ نے مختلف لیڈروں اور آستانہ عالیہ کے متولیوں کے ساتھ ملاقات کے بعد جو نتیجہ اخذ کیا ہے اس سے یقیناً موئے مبارکؐ کے بارے میں شکوک پیدا ہو سکتے ہیں۔ لیکن ایک بات جو بار بار ذہن میں گونجتی ہے وہ یہ کہ بخشی صاحب کا دور ختم ہونے کے بعد جب حالات بالکل مختلف ہوئے تب ان سیاسی لیڈروں ان متولیوں نے موئے مبارک کی اصلیت کے بارے میں سی لیے گئے ہونٹ کیوں نہیں کھولے اور اسے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے [illegible] رہنے میں کیا مصلحت تھی۔



(غلام محمد بانڈے) (عبدالرحیم بانڈے)

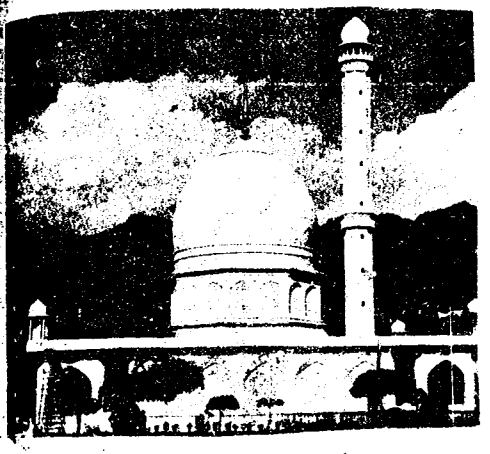
عبدالرحیم بانڈے اور غلام محمد بانڈے نے بعد میں کتنی بار موئے مبارکؐ کے قریب [illegible] دیدار کیے۔ اس کے بعد [illegible] نے جو نتیجہ اخذ کیا، اس کے بارے میں خاموشی سے کیوں کام لیا؟ یا تو ان کا شک [illegible] رہا ہوگا یا اس کے بارے میں ان کی بھی نیت صاف نہیں۔

بہرحال عوام اور خواص نے اس کو اصلی جان کر قبول کر لیا اور اسی عقیدت و احترام سے اس کے دیدار کیے جس طرح کرتے آئے ہیں۔

شیخ صاحب نے رہائی کے فوراً بعد نہ صرف موئے مقدس صلعم کو محفوظ رکھنے کا عہد کیا بلکہ آستانہ عالیہ کو شہید کر کے ایک نئی اور شاندار عمارت بنانے کا فیصلہ کیا۔ آستانۂ عالیہ کی تعمیرِ نو کے لیے انہوں نے عوام سے چندے کی اپیل کی، سرمایہ داروں کے پاس جا کر منہ مانگی رقم وصول کر لی۔

اس نئی عمارت کی بنیاد ۱۹۶۹ء میں فقیر میرک شاہ کاشانی کے ہاتھوں رکھوائی گئی درگاہ حضرت بل کی یہ عمارت دس سال میں مکمل ہوئی۔ ۲۳ر جون ۱۹۷۸ء کو اللہ اکبر کی ایمان افروز نعروں کی گونج میں موئے مقدسؐ نئے حجرے میں منتقل کیا گیا۔

اُس دن کی تقریب میں شیخ محمد عبداللہ نے موئے مقدس صلے اللہ علیہ وسلم کی تاریخ بیان کی۔ ہزاروں لوگوں نے نمازِ جمعہ پڑھی، اور انھوں نے موئے مقدسؐ کے اصلی مجرموں کو پکڑنے کا مطالبہ دُہرایا



(درگاہ شریف حضرت بل)

موئے مقدس صلعم کو نئی عمارت کے حجرۂ خاص میں منتقل کرنے کے لیے خاص انتظامات کیے گئے ہزاروں آنکھیں موئے مقدس کی نئی عمارت میں منتقلی کا روح پرور منظر دیکھ رہی تھیں۔ سخت ترین گرمی اور دن بھر کے انتظار کے بعد موئے مقدسؐ نئی عمارت میں لایا گیا تو ساری فضا درود و سلام سے منوّر ہوگئی۔

ایک جمِّ غفیر یہ منظر دیکھنے کے لیے چشم براہ تھا، شیخ صاحب، بیگ صاحب اور حسام الدین بانڈے کے ساتھ دوسرے دینی و مذہبی علماء اور کئی عمائدین وہاں موجود تھے۔

اُسی دن شام کو شہر میں چراغاں کیا گیا، اور آتش بازی چھوڑی گئی، عام گھرانوں میں اُس روز خاص پکوان پکائے گئے تھے اور ایک طرح سے عید جیسی خوشیاں منائی گئیں۔

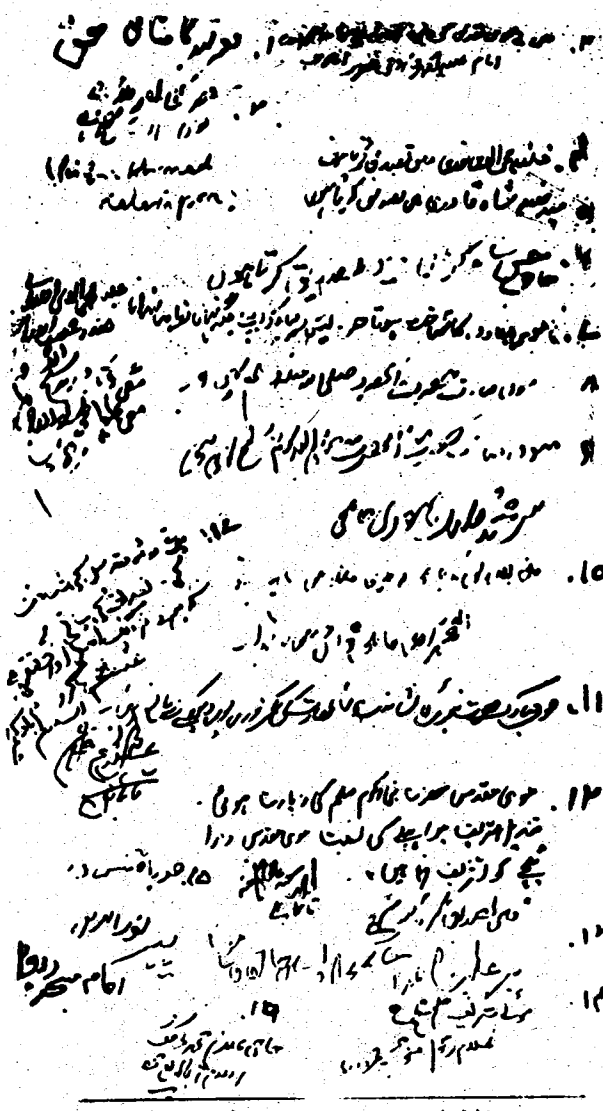
ئے مقدّس صلعم کی تصدیق سے متعلق دستاویز

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حلیہ مقدسہ حضرت عنبر موئی مرئی نسیوئی مقدس نوی (صلعم)

موئی پاک نبوی ایک بلوری شیشہ مبارک میں مُعلّق ہے۔ جو کہ خمدار۔ اور بحیثیت فتح زدہ دو حصہ والا نمایاں ہوتا ہے۔ الا قندیلہ مبارک میں سے موئی مقدس کی زیارت صرف ایک طرف سے ہوسکتی ہے۔ دوسرا طرف قندیلہ شریف ناشستہ ہے۔ جسکے اوپر ہر ایک نقرہ مراصع گردن و گنبد مبارک ہے۔ جسکے اوپر ایک نقرہ مذہبا لگا ہوا ہے۔ شیشہ مبارک کا نچلا حصہ بھی چاندی کا ہے جو کہ گولی ہے۔ چاندی کے ہر دو حصے قندیلہ مبارک بلوری کے ساتھ بند ہیں۔ تخمیناً قندیلہ مبارک جو چاندی کے لمبائی پانچ انچ تک ہوگی۔ وسکے ساتھ چاندی کی ایک گلشنی مبارک حلقہ گوش ہوا کرتی ہے۔ یہ نعمت عظمیٰ جو قندیلہ مبارک محولہ نوری غلاف شریف ہے۔ یہ غلاف مبارک ابتدائی ورود مسعود حضرت موئی پاک کے ساتھ ہے۔ اس غلاف شریف کے دہانہ پر ایک دھاگہ کی ڈوری لگی ہوئی ہے۔ جسکے غلاف شریف بند ہوتا ہے۔ یہ موئی مقدس اس غلاف شریف کے سمیت سبز مخمل کی غلاف شریف میں محفوظ رکھا جاتا ہے۔ اسکے بعد یہ نعمت عظمیٰ ایک صندوقچہ مبارک میں جو کہ ابتدائی ورود مسعود سے ساتھ ہے۔ رکھا جاتا ہے۔ صندوقچہ مبارک کے متعلق تاریخ وار ضمیمہ میں یوں درقطراز ہے۔ (علاء۔ غلافا۔ شاخ۔ فقرا۔ سہ بندا۔ تردد وقت نوبت ہے یا تنہ۔ در محل مبارک کہ حاصل آن ظہور قدیمہ عیان بود۔ ہر سہ دوش بلند۔) ای تمام میں سے صرف نعمت عظمیٰ قندیلہ مبارک محولہ غلاف شریف ای چاندی تعویذ میں مرحمت فرمایا گیا۔ مؤرخہ ۱۳ شعبان المعظم

سید عبدالرحیم بانڈے



یہ آج گلستاں سے اٹھتا ہے دھواں کیسا؟
کیا میرے نشیمن کو پھر برق جلا آئی

پنڈت نہرو کی نئی حکمتِ عملی
مولوی فاروق کی قلابازی

موئے مقدس صلے اللہ علیہ وسلم کی گمشیدگی کے دوران کشمیری عوام کی یک جہتی بیگانگت اور باہم اتفاق یقیناً حکومتِ ہند کے لیے یہ صورتِ حال تشویشناک بن گئی۔ اس طرح کشمیر کا سوال جو سرد خانے میں پڑا ہوا تھا، ایکبار پھر عالمی سطح پر ابھر آیا۔ مرکزی لیڈروں کو احساس ہوگیا کہ سترہ سال تک جس مسئلہ کو دبانے کے لیے انھوں نے تمام حربے استعمال کر لائے وہ صرف ایک جھٹکے میں ختم ہوگئے، لالچ دباؤ اور ترغیب سے تحریکِ حریت کو دبا کر مرکزی اور ریاستی سرکار بظاہر مطمئن نظر آرہی تھی، لیکن موئے مقدس صلعم کے ہاتھ چھیڑ چھاڑ نے تحریکِ حریت میں ایک نئی جان ڈالدی، تحریک موئے مبارک کی مجلس جس میں سید میرک شاہ کاشانی، مولانا محمد سعید مسعودی جیسے پیر بزرگان کے ساتھ نوعمر مولانا فاروق اور فاروق عبداللہ بھی شامل تھے۔

شیخ عبداللہ جیسے بلند قامت لیڈر کے ناطے فاروق عبداللہ عام لوگوں کے جانے پہچانے تھے، مولوی فاروق مولوی خاندان سے وابستہ ہونے کی وجہ سے ایک محدود دائرے میں قابل قبول تھے، البتہ حصول موئے مبارک کی تحریک کے دوران جب وہ اسٹیج پر نمودار ہوئے تو لوگ ان کے شجر نسب سے واقف ہوگئے اور مولوی خاندان کے چشم و چراغ کے روپ میں عوام نے انہیں قبول کرلیا، مولوی فاروق اور شیخ فاروق سنِ بلوغ میں داخل ہو رہے تھے۔ دوسرے بزرگانِ دین اور سنیئر سیاست دانوں کی سربراہی میں مولوی

فاروق اور شیخ فاروق حصول موئے مبارکؐ کی تحریک کے بعد اصلی مجرم کو پیش کرو" کی مانگ لے کر حقِ خود ارادیت کا مطالبہ کرنے لگے، عام لوگوں نے اسے دل کی آواز سمجھ کر اس پر لبیک کہا۔ حقِ خود ارادیت کا مطالبہ ریاستی سرکار کے ساتھ مرکزی سرکار کے لیے باعثِ تشویش بن گیا۔ نئی دہلی میں خواجہ شمس الدین کو ہٹا کر خواجہ غلام محمد صادق کو وزیر اعظم بنانے کا فیصلہ کیا گیا۔

غلام محمد صادق نے ۲۸ فروری ۱۹۶۴ء کو ریاست جموں و کشمیر کی وزارت عظمیٰ کا بوجھ ان کٹھن اور مشکل حالات میں سنبھالا جبکہ ریاست اپنی تاریخ کے ایک نازک دور سے گزر رہی تھی۔ ریاست کے اندر اور باہر کچھ ایسی الجھنیں پیدا ہو گئی تھیں جنہوں نے ریاست کے پورے سیاسی اور انتظامی ڈھانچے کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ اب کی بار بخشی ایک خاموش تماشائی بن کر رہ گئے۔

عنانِ حکومت سنبھالتے ہی صادق صاحب نے شیخ محمد عبداللہ کو رہا کرنے کا فیصلہ کیا۔ حالانکہ مرکزی سرکار وادیٔ کشمیر میں "حق خود ارادیت" کے مطالبے سے پیدا شدہ صورتِ حال سے بخوبی واقف تھی اور انھوں نے صادق صاحب کو اپنی تشویش سے آگاہ کیا تھا، لیکن صادق صاحب نے اس کے باوجود بھی شیخ عبداللہ کو رہا کرنے اور سیاسی سطح پر ان کے ساتھ مقابلہ کرنے کا اعادہ کیا۔

وزیر اعظم خواجہ غلام محمد صادق کی طرف سے شیخ عبداللہ کی رہائی کے اعلان سے وادی بھر میں مسرت کی لہر سی دوڑ گئی۔

موئے مقدس صلعم کی بازیابی کے سلسلے میں تحریک چلانے کے لیے کشمیر کی نو سیاسی و مذہبی جماعتوں نے قومی اتحاد کی شکل اختیار کر لی تھی اور اس کا نام مجلس عمل برائے حصول موئے مقدس صلعم رکھا گیا تھا۔

حق خود ارادیت کے حصول کی خاطر عوام کے جذبۂ حریت کو دیکھ کر مجلس عمل نے ریاست کے سیاسی سوال کو حل کرنے کے لیے جدوجہد جاری رکھنے کا فیصلہ کر لیا۔ اس سلسلے میں ۴ مارچ ۱۹۶۴ء کو جامع مسجد میں مجلس عمل کے زیر اہتمام ایک جلسہ منعقد کیا گیا اور متفقہ طور پر ایک قرار داد پاس کی جس کے مطابق ریاستی عوام کے لیے حق خود ارادیت اور آزاد و غیر جانبدار رائے شماری کے مطالبات کیے گئے۔

ہندوستان اور پاکستان سے کہا گیا کہ وہ کشمیری عوام کے ساتھ کیا گیا اپنا وعدہ پورا کرنے میں سامنے آئے۔ نیز اقوام متحدہ کی قراردادوں کے تحت مسئلہ الحاق طے کرانے کے لیے عوام کی خواہشات معلوم کرنے کی خاطر ایک آزاد رائے شماری عمل میں لانے کا مطالبہ دہرایا گیا۔ ۱۳ مارچ کو مجلس عمل کی ایک میٹنگ میرواعظ منزل پر منعقد ہوئی۔ میٹنگ میں مولانا مسعودی، خواجہ غلام محی الدین قرہ، غلام محی الدین رہبر، پیر افضل مخدومی، مولانا ہمدانی جیسے بزرگوں کے ساتھ مولوی فاروق اور شیخ فاروق نے بھی شرکت کی۔ یہ میٹنگ کوئی تین گھنٹے تک جاری رہی اور فیصلہ ہوا کہ ۱۷ مارچ کو مجلس عمل کی طرف سے ایک اجتماع منعقد کیا جائے گا۔ اعلامیہ میں کہا گیا اجلاس میں مجلس عمل "کشمیر کا مسئلہ" حل کرنے کا مطالبہ پیش کر کے حقِ خود ارادیت کے حصول کے لیے جدوجہد کا آغاز کرے گی۔

مجلسِ عمل، محاذ رائے شماری اور پولیٹکل کانفرنس کے ساتھ جمعیت ہمدانیہ اور جماعتِ اسلامی، ۱۷ مارچ کے اجلاس میں شرکت کیلئے زور و شور سے تیاریاں کرنے لگیں اس اعلامیہ نے مرکزی سرکار اور ریاستی سرکار کو سخت پریشان کر دیا۔

وزیر اعظم خواجہ غلام محمد صادق اور شری ڈی، پی درکو فوری طور پر دہلی طلب کیا گیا۔ دہلی میں مجلس عمل کے اعلامیہ پر غور و خوض کیا گیا تو گلزاری لال نندہ نے مجلس عمل کے ساتھ وابستہ تمام چھوٹے بڑے لیڈروں کو گرفتار کرنے کا مشورہ دیا لیکن صادق صاحب نے اس تجویز کے ساتھ اتفاق نہیں کیا۔ ان کا عذر تھا کہ ایک طرف ہم نے شیخ عبداللہ کی رہائی کا اعلان کیا دوسری طرف ہم مجلس عمل کے ساتھ وابستہ افراد کو گرفتار کریں گے ایک مذاق ہوگا۔ ڈی، پی درنے مجلس عمل میں پھوٹ ڈالنے کا مشورہ دیا اور یہ کام اپنے ذمے لیا۔ دہلی سے واپسی پر ڈی، پی درنے پہلے مولانا مسعودی سے ملاقات کی اس کے بعد وہ مولانا فاروق سے ملنے گئے۔

اگلے روز نور الدین اور محمد جمال مولوی فاروق کی طرف سے ڈی، پی در سے ملے اور ان سے اور باتوں کے علاوہ مولوی فاروق اور ڈی پی در کے درمیان میٹنگ کا وقت مقرر کیا۔

اسی روز مجلس عمل کی طرف سے ۱۷ مارچ کا اجلاس ۲۲ مارچ کو کرنے کا اعلان کیا گیا۔ یعنی اجلاس میں صریحاً رخنہ ڈالا گیا۔

ڈی پی ور ۲۰ مارچ کی شام کو مولانا مولوی فاروق کے ہاں گئے اور ان کے ساتھ موجودہ حالات پر تفصیلی گفتگو کی، ان کے درمیان ہوئی گفتگو کے بارے میں اگر مکمل تفصیلات دستیاب نہیں ہو سکی لیکن ۲۱ مارچ کی صبح کو مولوی محمد فاروق نے مجلس عمل کے عہدیداروں کی میٹنگ میں ۲۲ مارچ کا اجلاس ملتوی کرنے کا اپنا فیصلہ سنا دیا تو یہ ایک طرح سے ڈی پی ور کے ساتھ بات چیت کا ماحول تھا۔


(ڈی، پی ور)


(مولوی فاروق)

کشمیر کی حق خود ارادیت پر کشمیر کے مسلم رہنماؤں کا مکمل اجلاس جو ۲۲ مارچ ۱۹۶۴ء کو حسب پروگرام جڈی بل میں ہونیوالا تھا وہ مولانا محمد فاروق کے کنارہ کش ہونے سے پھوٹ کا شکار ہوا۔ بعض مسلم رہنماؤں نے اجلاس کو ملتوی کرنے سے انکار کیا۔ چنانچہ اجلاس کی ابتدائی کارروائی کے ساتھ ہی ڈنگا فساد شروع ہوگیا۔ پولیٹیکل کانفرنس کے صدر خواجہ غلام محی الدین قرہ جوں ہی مائک کے سامنے آئے تو کسی نے اسٹیج پر چڑھ کر ان کے سامنے سے مائک چھین لیا اور انھیں نیچے دھکیل دیا گیا۔ مولوی یاسین ہلالی کو دو ہٹے بازوں نے اٹھا کر باہر پھینک دیا۔ مولوی محمد سعید مسعودی کو خوب زدکوب کیا گیا اور اس کے ساتھ ہی وہ مار دھاڑ شروع ہوگئی کہ اسٹیج پر بیٹھے ہوئے معززین کو گھسیٹتے ہوئے نیچے اُتارا گیا۔ جنہوں نے وہاں سے بھاگنے میں ہی اپنی عافیت سمجھی اس طرح یہ جلسہ اختتام پذیر ہوا۔



مسئلہ کشمیر حق خود ارادیت کی بنیاد پر حل کرنے کا اہم اور تاریخی اجلاس جس ابتدا کے ساتھ اختتام کو پہنچ گیا اس سے جہاں کشمیر کے مسلم رہنماؤں کو شرمندگی اور ندامت ہوئی وہاں مرکزی سرکار ڈی۔ پی۔ ور کے اس کارنامے سے بہت خوش ہوئی۔ حالاں کہ اس میں ڈی۔ پی۔ ور کا اتنا ہاتھ نہیں تھا جتنا کہ

جواہر لال نہرو کے اس خط کا تھا۔ جو ڈی۔ پی۔ ور کے ذریعے مولانا محمد فاروق کو بھیجا گیا تھا۔ اس خط کو مولوی صاحب تک پہنچانے میں ڈی پی ور سے انکار نہیں ہو سکا۔ البتہ انھوں نے نفس مضمون کو بتانے سے صاف انکار کیا۔ کچھ بھی ہو کارروائی سے مسلم اتحاد پارہ پارہ ہوگیا۔

مسلمانوں کا اتحاد پارہ پارہ ہونے کے بعد مرکز نے اطمینان کا سانس تو لیا لیکن اس سے مکمل طور پر چھٹکارا نہیں پا سکا۔ البتہ مرکز کی نظروں میں شری ڈی، پی ور کا قد بڑھ گیا اور وہ ان کی اہمیت کے قائل ہوگئے۔

ایک ایمرجنسی میٹنگ میں پنڈت جواہر لال نہرو نے جو ان کی کوٹھی پر بلائی گئی تھی اس وزیر اعظم کے علاوہ مرارجی ڈیسائی، لال بہادر شاستری، گلزاری لال نندہ، ٹی ٹی کرشنا چاری، اے، کے سین، بلدیو سنگھ، آئی، وی گنڈ بوپا، بی، این ملک اور کئی دوسروں کے ساتھ محکمہ سراغ رسانی کے چند آفیسر بھی موجود تھے۔

وزیر اعظم نے گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے کہا۔

"اگر پندرہ برس کے ملاپ کے باوجود کشمیر ایک ایسی غیر مستحکم صورتحال سے دوچار ہو کر موئے مبارک جیسا سادہ مسئلہ عوام کو اس حد تک مشتعل کر سکتا ہے کہ وہ حکومت کے خلاف بغاوت پر اٹھ کھڑے ہوں پھر تو ہمیں کشمیر کے بارے میں ایک نیا اپروچ اختیار کرنا ہوگا اور ہمارے نقطہ نظر میں ایک ترقی پسندانہ تبدیلی لازمی بن جاتی ہے۔

میں محسوس کرتا ہوں کہ شیخ عبداللہ کو کشمیری عوام پر ایک سخت اور مضبوط گرفت حاصل ہے اور بدلے ہوئے حالات میں ان کو اعتماد میں لیے بغیر وادی کشمیر میں کسی قسم کے سیاسی حل کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا، اس لیے یہ رائے مناسب رہے گی کہ شیخ عبداللہ کو رہا کیا جائے۔"

میٹنگ میں کافی غور و خوص کے بعد پنڈت نہرو کی اس رائے کی تائید کی گئی کہ شیخ عبداللہ کو رہا کیا جائے اور "مسئلہ کشمیر" کو حل کرنے کے لیے اُن کے ساتھ بات چیت

کی جائے تاکہ ہمیشہ کے لیے یہ دردِ سر اُتر جائے اور اس جھنجھٹ سے نجات مل سکے۔

میٹنگ میں یہ بھی فیصلہ ہوا کہ شیخ صاحب کو خوش کرنے کے لیے حق خودارادیت اور رائے شماری کے بدلے وہ مراعات دی جائیں جس کی بدولت وہ بھارت کے ساتھ رہ سکیں، اگر وہ بھارت کے ساتھ دفاع، رسل و رسائل اور داخلی امور مان لیں تو انھیں اندرونی خودمختاری کی گارنٹی دیدیں گے اور اس کے لیے ان کے ساتھ ایک معاہدہ بھی کرنا پڑے تو کریں گے۔

ٹی ٹی کرشنم آچاری کا خیال تھا جن حالات میں ہم شیخ عبداللہ کو رہا کر رہے ہیں، مجھے نہیں لگتا کہ وہ رائے شماری سے کم کا کوئی اور مطالبہ مانیں گے۔ کرشنم آچاری کی رائے کی تائید گلزاری لال نندہ نے بھی کی۔ نندہ صاحب کا خیال تھا شیخ عبداللہ ان حالات میں ہم سے جو مانگیں گے وہ ہمیں ان کو دینا پڑے گا۔

لال بہادر شاستری نے رائے دی کہ اُن کو رائے شماری کے بدلے اندرونی خودمختاری دی جائے تاکہ کشمیر اپنے زیر اثر رہ سکے، مرارجی ڈیسائی نے شاستری کی رائے کی حمایت کی۔

پنڈت نہرو کے خیال میں ــــ کچھ بھی ہو اب یہ مسئلہ حل ہونا چاہیے اس کے لیے ہمیں جو بھی قربانی دینا پڑے اس کے لیے تیار رہنا چاہیے۔

اے، کے سین اور آئی، دی گندیویا کی رائے یہ تھی کہ اپنی طرف سے کوئی سمجھوتہ ان کو دینے کے بجائے پہلے اُن کی رائے معلوم کی جانی چاہیئے پھر اس رائے کی روشنی میں غور کیا جاسکتا ہے۔ ان دونوں کی رائے کے ساتھ اتفاق کرنے کے بعد فیصلہ کیا گیا کہ شیخ عبداللہ کے نام پنڈت نہرو ایک خط لکھدیں اور انہیں رہائی ملتے ہی بات چیت کیلئے دہلی آنیکی دعوت دی جائے۔ چنانچہ پنڈت نہرو نے خط لکھکر گندیویا کے حوالے کیا اور اسی کے ساتھ خواجہ غلام محمد صادق کو شیخ عبداللہ کی رہائی کی ہری جھنڈی دکھائی گئی۔

وزیر اعظم خواجہ غلام محمد صادق نے ۸ اپریل ۱۹۶۴ء کو شیخ عبداللہ کی رہائی اور مقدمہ سازش کیس واپس لیے جانے کا اعلان کیا، انہوں نے کابینہ کی میٹنگ میں شیخ عبداللہ کے ساتھ تعلقات نارمل بنانے کا اعادہ کیا ــــ کانگریس پارلیمانی پارٹی کی مجلس عاملہ کے ایک جلسہ میں مرارجی ڈیسائی نے واضح الفاظ میں کہا۔ "اگر شیخ عبداللہ زیادہ خودمختاری کی تجویز پیش کریں تو اس پر بات چیت ہوسکتی ہے۔

خواب سے بیدار ہوتا ہے کبھی محکوم اگر
پھر سُلادیتی ہے اس کو حکمراں کی ساحری

شیخ عبداللہ کی رہائی اور مسئلہ کشمیر پر مرکز کے ساتھ بات چیت

اپریل کی ۸ تاریخ کو شیخ محمد عبداللہ رہا کیے گئے، رہائی کے ساتھ جب انہیں مقدمہ سازش کیس واپس لیے جانے کا مژدہ سنایا تو شاید انھوں نے اپنے ساتھ فیصلہ کرلیا کہ اب دوبارہ گرفتار نہیں کیا جائے گا۔ ہوسکتا ہے، انھوں نے جیل کی تنہائی سے اُکتا کر مرکز کے ساتھ صلح کرنے کا بھی خیال کیا ہو کیونکہ انھوں نے اب کی بار رہائی پر نہ صرف بستر باندھ لیا بلکہ انھوں نے دیگر سرکاری سامان پر بھی ہاتھ مارا۔

جموں میں جیل سے ملحق کوٹھی جس میں مقدمے کی کارروائی ہورہی تھی اس کوٹھی کی تمام تر ساز و سامان جس میں قالین، پردے، بستر، فرنیچر، برتن چمچے اور پیالوں کے ساتھ ساتھ ریکارڈر، ریڈیو، ٹائپ مشین اور اسٹیشنری شامل ہے۔ ڈنگل وین میں بھروایا اس ڈنگل وین کو سرینگر روانہ کیا۔ کسی ایک نے بھی ان سے نہیں پوچھا یہ سارا سرکاری سامان آپ کہاں اور کیوں لے جارہے ہیں۔ سرینگر آکر انھوں نے ڈنگل وین ایک برطانوی وکیل کے نام سے منسوب تھی سرکار کو واپس کرنے کے بجائے ساڑھے تین ہزار روپے میں فروخت کی۔ محکمہ تو اضع کا سامان مدتوں باعث تنازعہ بنا رہا آخر وزیر صاحب کی ہدایت پر اسے WRITTEN-OFF کرا کے اسٹور کیپر کے کندھے سے یہ گراں بوجھ اتارا گیا۔

سرینگر پہنچنے پر ۱۹ اپریل ۱۹۶۴ء کو شیخ عبداللہ نے ایک اخباری کانفرنس کے ذریعے اس بات کا انکشاف کیا کہ ۱۷ اپریل کو مجھے پنڈت نہرو کا دعوت نامہ دیا گیا چونکہ

سرینگر میں میرے ہزاروں دوستوں نے میرے استقبال کا پروگرام ترتیب دیا تھا اس لیے میں دہلی نہیں جاسکا اگر یہ دعوت نامہ مجھے وقت پر دیا گیا ہوتا تو میں سرینگر آنے کے بجائے پنڈت جی کے لیے دہلی کا رُخ کر لیتا۔

انھوں نے اخباری نمائندوں کے سوالات کے جو جوابات دیئے اس کا نچوڑ یہ ہے:



"میرے دل میں ہندوستان کے بارے میں کوئی فرق نہیں آیا ہے۔ میں پنڈت نہرو کو اب بھی اپنا قیمتی دوست مانتا ہوں۔ میں امید کرتا ہوں کہ ہمارے درمیان جو اختلافات ہیں وہ دور ہو جائیں گے۔ بھارت کے ساتھ الحاق کے بارے میں ہمارا کوئی تنازعہ نہیں ہے اور باہم مذاکرات سے رائے شماری کا متبادل ڈھونڈا جاسکتا ہے، بھارت کے ساتھ جو ہمارا مسئلہ ہے وہ ایک اندرونی مسئلہ ہے اس کے لیے کسی بیرونی مداخلت کو برداشت نہیں کیا جاسکتا۔"

شیخ عبداللہ کے اس اخباری بیان سے مرکز کے حکمرانوں کی خوشی سے باچھیں کھِل گئیں۔ غیر متوقع طور پر شیخ صاحب نے انھیں جو خوش خبری سنا دی اس سے ان کو یقیناً ایسا لگا گویا میدانِ جنگ میں جہاں انھیں پسپائی کا خدشہ لاحق ہو چکا تھا وہاں اچانک پانسہ پلٹ گیا اور اس محاذ سے فتح کی خبر سن کر اُن کی جو خوشی ہوئی تھی وہ واضح ہو گئی۔

مرکزی سرکار نہ صرف اندرونی خود مختاری حتّٰی کہ صرف دفاع، رسل و رسائل اور امورِ خارجہ اپنے پاس رکھنے تک آمادہ ہو چکا تھا۔ لیکن شیخ عبداللہ کے اس اخباری بیان سے اس پر پانی پھیر گیا۔

شیخ عبداللہ ذرا سا دم لیتے اور کچھ دیر کے لیے حقِ خود ارادیت پر قائم رہتے تو بہت ساری مراعات حاصل کر سکتے لیکن جیل سے چھوٹتے ہی وہ بالکل ہلکے ثابت ہوئے اور مرکزی

نے بھی ان کے ساتھ ہلکا وطیرہ اختیار کر لیا۔ گندیوانے اعتراف کر لیا، شیخ محمد عبداللہ اس بیان سے کشمیر نے زیادہ سے زیادہ اندرونی خود مختاری کھو دی۔

مرکز کے حاکموں کو شیخ عبداللہ کی طرف سے جن مطالبات کا خدشہ تھا۔ شیخ صاحب خود ہی اپنے بیانات سے انھیں ان خدشات سے نکال دیا، اب وہ اطمینان کا سانس لیکر ان کی آمد کا انتظار کرنے لگے۔ البتہ ایک طبقہ ایسا بھی تھا جو شیخ صاحب کے ہند موافق بیان پر بھی خوش فہمی میں مبتلا نہ ہوا، ان کا خیال تھا شیخ عبداللہ کل کو اپنی رائے بدل بھی سکتے ہیں۔ خود پنڈت نہرو کا بھی یہی خیال تھا کہ شیخ عبداللہ کے بدلنے میں دیر نہیں لگتی۔ کون جانے وہ ہمارے سامنے کیا کیا مطالبات رکھیں گے۔

سرینگر میں آمد کے دوسرے دن شیخ صاحب اپنے رفقاء کے ہمراہ حضرت بل گئے جہاں موئے مقدس صلعم کی گمشدگی اور اس کی بازیابی کے بارے میں تفصیلات معلوم کیں، شیخ عبداللہ اس بات پر خوش اور شاد تھے کہ موئے مقدسؐ کی تحریک کی بدولت ان کی رہائی ممکن ہو سکی۔ لیکن اس خوشی کے دوران ان کے لیے یہ تکلیف دہ بات ہوئی کہ اس تحریک میں مولوی خاندان کا ایک نوخیز لڑکا مولوی فاروق کو شامل کیا گیا تھا۔

شیخ صاحب نے اس کی ذمہ داری مولانا مسعودی پر ڈال کر ان کی سرزنش بھی کی، اس سے قبل انھوں نے اپنی کوٹھی پر اپنے بیٹے شیخ فاروق کو بھی مولوی فاروق کو اپنے ساتھ چلانے پر خوب ڈانٹ پلائی تھی۔

تحریک میں مولوی خاندان کے ایک فرد کی شمولیت شیخ عبداللہ کے لیے ناقابلِ قبول تھی وہ سمجھتے تھے میں نے اس خاندان کے ایک ایک فرد کو سرحد کے پار بھجوا کر ان سے جو ٹکر لی تھا وہ سب ان کی غیر حاضری میں اکارت ہو گیا۔

شیخ عبداللہ کی اس ناراضگی نے مجلسِ عمل میں ایک طرح کی پھوٹ ڈال دی، باہم اختلافات پیدا ہوتے ہی سنگین صورت اختیار کر گئی، چھوٹی اور بڑی پارٹی کا ہوا کھڑا ہو کے جھگڑا شروع ہو گیا اور دیکھتے ہی دیکھتے حق خود ارادیت اور رائے شماری فوراً کے نعرے شیر بکرا جھگڑے میں بدل گئے۔

جن سڑکوں اور گلی کوچوں میں حقِ خود ارادیت زندہ باد اور رائے شماری فوراً کے نعرے گونج رہے تھے، وہاں گالی گلوچ، دنگا فساد اور لاٹھیوں و پتھروں کا

آزادانہ استعمال ہونے لگا۔ مجلس عمل کا شیرازہ بکھر کر رہ گیا، اور شیخ عبداللہ مولوی فاروق کو "کل کا لونڈا" کہہ کر ان سے مخاطب ہوا۔

سانحہ موئے مقدّس صلعم کے سلسلے میں مولوی فاروق پہلی بار سیاسی میدان میں اتر کر عوام کے سامنے آگئے اور بہت جلد عام لوگوں کی توجہ کے مرکز بن گئے۔

مولوی فاروق کے بارے میں شیخ عبداللہ کے کیا خیالات تھے، اسے انھوں نے اپنی کتاب "آتشِ چنار" میں یوں بیان کیا ہے:

"حصول موئے مقدّسؐ کی تحریک میں پہلی بار مولوی فاروق سیاست میں آگئے انہیں دو ایک سال قبل بخشی غلام محمد نے اپنی ایک شاطرانہ چال کے تحت میر واعظ کی مسند پر بٹھا دیا تھا اور اپنے ہاتھوں اس سبزۂ آغاز، نوخیز نوآموز اور دین و دنیا کے علوم و رموز سے بے خبر نوجوان کے سپرد عمامۂ فضیلت باندھ دیا تھا، اس کے نازک ہاتھوں پر مہندی رچائی تھی وہ مولوی فاروق اور ان کے اتالیقوں اور اقارب کی دامے اور درمے بھی خاطر تواضع کرتا رہا لیکن نوآموز مولوی سیاسی میدان میں کیا جھنڈے انہیں گلی ڈنڈا کھیلنے اور سینما گھروں کے طواف کرنے کی جولت پڑ گئی تھی اس کا نشہ اُتارنے میں کئی برس لگ گئے اور کبھی کبھی وہ عادت سے مجبور اور بے بس ہو کر عربی برقعے میں چھپ کر سینما جاتے رہے لیکن موئے مبارک کی طوفان خیز تحریک میں ایک لہر کے تھپیڑے سے یہ ننھا کشمیر کی سیاسی سطح پر اُبھر آیا۔"

۲۹ اپریل کو شیخ عبداللہ دہلی پہنچ گئے تو وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو نے انہیں اپنا ذاتی مہمان بنایا ان کا قیام اپنی رہائش گاہ میں رکھا ان کی خاطر مدارات میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی گئی۔

مسئلہ کشمیر پر بات چیت سے قبل کامن ویلتھ سکریٹری مسٹر گنڈیویا شیخ صاحب سے ان کے خیالات جاننے کے لیے مل گئے۔

مسٹر گنڈیویا اس سے قبل اس میٹنگ میں بھی شامل تھے جس میں یہ طے پایا تھا کہ کشمیر کا تنازعہ ہمیشہ کے لیے حل کرنے کے لیے اگر ریاست کو اندرونی خود مختاری تی گارنٹی

نے تو دی جائے گی اگر وہ مرکز کی تحویل میں صرف دفاع، رسل و رسائل اور امور خارجہ رکھنا چاہیں گے تو تسلیم کر لیا جائے گا۔

چنانچہ آج جب شیخ صاحب سے ان کی رائے جاننے کے لیے مسٹر گنڈیویا نے بات چیت کا آغاز کیا تو شیخ صاحب نے رائے شماری کو خارج از امکان قرار دے کر حق خود ارادیت کو زبان پر بھی نہیں لایا صرف اپنی گرفتاری اور کشمیر سازش کیس میں ملوث کرنے کی بات کا دفتر کھولا۔ شیخ عبداللہ نے جب صاف صاف کہدیا میں ہندوستان سے باہر کچھ سوچ بھی نہیں سکتا اور الحاق کو چیلنج بھی نہیں کر سکتا تو یہ بات لے کر گنڈیویا پنڈت جی کے پاس دفتر گئے۔

پنڈت نہرو کو پہلے یقین ہی نہیں آیا لیکن جب انھیں یقین دلایا گیا تو انھوں نے اس وقت مزید بات چیت کے لیے مسٹر پارتھا سارتھی (اس وقت پاکستان میں ہند کے سفیر) جمالدین طیب جی (اس وقت مسلم یونیورسٹی کے وائس چانسلر) کو مسٹر گنڈیویا کے ساتھ شامل کر لیا۔

اسی دوران وزیر اعظم ہند پنڈت نہرو کے نام صدر پاکستان جنرل ایوب خاں کا خط آگیا، جس میں کہا گیا تھا کہ کشمیر کے معاملے میں پاکستان بھی ایک فریق ہے لہٰذا ہماری غیر حاضری میں کوئی فیصلہ کیا گیا تو وہ قابلِ قبول نہیں ہوگا۔

دوسرے دن سویرے ناشتہ کی میز پر پنڈت نہرو نے شیخ صاحب کو جنرل ایوب خاں کا تار دکھایا، تار کو پڑھ کر شیخ صاحب نے فرمایا:

"میں نہیں چاہتا کہ رائے شماری کرا کر کشمیر کو پاکستان کے حوالے کیا جائے، البتہ پاکستان کو اعتماد میں لینا ضروری ہے اس کے لیے پاکستان کے حکمرانوں کے ساتھ بات چیت کرنا پڑے گی۔ میں حقِ خود ارادیت پر بھی زور نہیں دے سکتا، کیونکہ کشمیر اس پوزیشن میں نہیں ہے کہ وہ آزاد حیثیت میں اپنی سالمیت قائم رکھ سکے۔"

شیخ عبداللہ نے اندرونی خود مختاری کا کوئی ذکر تک نہیں کیا۔

اُسی دن تین بجے پنڈت نہرو نے ورکنگ کمیٹی کی میٹنگ اپنے دفتر میں رکھی، میٹنگ دوران انھوں نے حاضرین سے پوچھا۔

"کیا آپ سمجھ گئے شیخ عبداللہ کشمیری عوام کے لیے کیا مانگ رہے ہیں"؟ تو ان سبھو
انکار کیا۔ پنڈت نہرو بولے۔

"اگر ان کی کوئی مانگ نہیں تو پھر انھوں نے ڈاکٹر سبھرائن کو یہ سب اس
کیوں نہیں بتایا جب انھوں نے کُد جیل میں شیخ عبداللہ سے ملاقات کی تھی"۔

اس موقع پر مسٹر گندیویا نے کہا۔

"شاید مسلسل جیل میں رہنے سے اُن کے خیالات میں تبدیلی آئی ہے، جہاں
میں سمجھتا ہوں انہیں مسئلہ کشمیر حل کرنے سے زیادہ ہند کشمیر اور پاکستان پر مشتمل ا
کنفیڈریشن کے قیام کی تجویز سے دلچسپی ہے اور بس"۔

جی پارتھا سارتھی نے کہا۔

"یہی فارمولہ لے کر وہ پاکستان جانا چاہتے ہیں اور ہمیں غور کرنا چاہیئے کہ انھیں
وہاں بھیجنا مناسب رہے گا یا نہیں؟"

پنڈت نہرو نے اس بات پر غور کرنا مان لیا اور شیخ عبداللہ کی غیر موجودگی میں مسا
پر غور و خوض کرنے کے لیے انہیں جنوبی ہند کے دورے پر بھیجا گیا۔ پنڈت نہرو
شیخ عبداللہ کے کنفیڈریشن پر اپنے ساتھیوں سے صلاح مشورہ کیا اور ان کی را
طلب کی۔ مسٹر گندیویا نے پہل کر کے ۵ نکات کا ایک فارمولا بتایا:

(۱) تاریخ میں کوئی کنفیڈریشن کامیاب نہیں رہی ہے۔

(۲) پاکستان کے صدر جنرل محمد ایوب خاں اس قسم کی تجویز کو ہرگز قبول نہیں
کریں گے۔

(۳) چونکہ صدر پاکستان اس تجویز کو رد کریں گے اس لیے ہمیں منظور کرنی چا
اور اس کا الزام ہم پر آنے کے بجائے پاکستان پر ہی آسکتا ہے۔

(۴) چونکہ شیخ عبداللہ اس تجویز کے ساتھ گہری دلچسپی رکھتے ہیں لہذا صد
ایوب خاں کو رضامند کرانے کے لیے انہیں وہاں بھیجنا چاہیئے۔

(۵) شیخ صاحب کے خیالات جاننے کے بعد ہماری دلچسپی صرف ایک بات میں ہے
موجودہ جنگ بندی لائن میں تبدیلی لاکر یہ مستقل بین الاقوامی سرحد میں بدل
دی جائے اور اس کے لیے پاکستان کو کچھ رعایت بھی دینا پڑے تو دی جا

چاہیئے۔"

جنوبی ہند کے دورے کی واپسی پر شیخ عبداللہ کو پاکستان جانے کا مژدہ سنایا گیا
کستان جانے کی تیاری کرنے کے لیے شیخ صاحب سرینگر آگئے۔

سرینگر آکر انھوں نے ایک تقریر کے دوران عوامی اجتماع میں فرمایا:۔

"بھارت اور ہمارے درمیان کوئی بنیادی اختلاف نہیں ہے اور ہمیں
مسئلہ کی جانب حکومت ہند کی رائے میں دلچسپی نظر آتی ہے۔ کشمیری
عوام کو اپنی مرضی متعین کرتے ہوئے اپنے فیصلہ کے امکانی نتائج کو ذہن
میں رکھنا ہوگا جو ہند کی مسلم اقلیت اور پاکستان کی ہندو اقلیت پر
اثر انداز ہوسکتے ہیں۔

لوگوں کی مرضی دریافت کرنے کے کئی راستے ہوسکتے ہیں اگر رائے
شماری کرانے سے مشکلات پیدا ہونے کے امکانات ہیں تو دوسرے راستے
تلاش کیے جاسکتے ہیں۔

آزاد اور غیر جانبدار انتخابات لوگوں کی رائے معلوم کرنے کا ایک
طریقہ ہوسکتا ہے، لیکن اس کے لیے اور بھی کئی غیر جانبدار تجویزیں
ہوسکتی ہیں"۔

شیخ عبداللہ کے یہ بیانات ان کی دوغلی پالیسی اور ان کی نیت کی خرابی کا صاف
ار تھا۔ ان بیانات کی روشنی میں ایک عام آدمی یہ آسانی سے محسوس کرسکتا ہے کہ ان
دل میں چور ہے، زبان پر جو بات ہے وہ دل میں نہیں ہے سب سے بڑی بات تو یہ
ت ہوتی ہے کہ ان میں خلوص کا فقدان ہے اسی لیے وہ عوام کے سامنے مسئلہ کشمیر کے
ے میں صاف طور پر اپنے خیالات کا اظہار نہیں کر رہے ہیں۔ بلکہ اپنے موقف سے ہٹنے
یاری کر رہے ہیں۔

شیخ محمد عبداللہ کے ہوتے ہوئے کشمیری عوام کو ہر مقام پر سخت پریشانی ہزیمت
ذبذب کا شکار ہونا پڑا اس لیے کہ جو بات وہ کشمیری عوام کے سامنے کہتے وہ مرکزی
روں کے پاس نہیں لے جاتے، مسئلہ کشمیر حل کرنے میں مرکزی سرکار کوئی ٹھوس
اس لیے اٹھا نہ سکی کیونکہ شیخ عبداللہ کبھی ایک بات ایک مطالبے اور ایک نظریے

پر قائم نہیں رہ سکے۔

شیخ عبداللہ عوامی جلسوں میں گھن گرج کے ساتھ مرکزی سرکار کو کچھ اس طرح للکارتے تھے کہ ایک دشمن بھی انہیں نڈر، بے باک اور جرأت مند ماننے سے انکار نہیں کرسکتا، لیکن مرکزی حکام کے پاس ہی کیا ریاستی سرکار کے پاس ان کی بات چیت کا طریقہ بالکل مختلف ہوتا بعض حالات میں یہ عاجزانہ بھی ہوتا۔

شیخ عبداللہ کی یہ صورتِ حال نہ صرف مرکزی سرکار کے ساتھ تھی بلکہ مہاراجہ ہری سنگھ کے دورِ حکمرانی میں بھی ان کا یہی طریقہ رہا کرتا تھا، جہاں تک پبلک جلسوں میں وہ ماضی میں مہاراجہ ہری سنگھ کو اور حال میں پنڈت نہرو کو للکارتے تھے وہاں اُنکے پاس جاکر بھیگی بلی بن جاتے تھے، انہیں عام طور پر شیر دل کہا گیا لیکن میرے نزدیک وہ سب سے بڑا بزدل تھا۔

شیخ صاحب عوام میں اپنی نڈرتا دکھانے کے لیے جب بھی تیز طرار تقریر کرتے تو اس تیزی کا اثر زائل کرنے کے لیے حاکم اعلیٰ کو اپنی طرف سے صفائی کی چٹھی لکھ دیتے، نہیں تو پریس کو واقعات توڑ مروڑ کر لکھنے کا دوش دے کر چھٹکارا پاتے تھے۔

شیخ عبداللہ کا تضاد جو ان کے کردار، گفتار اور رفتار میں تھا جو ان کے خیالات اور طریقۂ کار میں تھا یہ تضاد کشمیری عوام کے ہر مسئلے میں ایک زبردست رکاوٹ بنا۔ یہ اسی رکاوٹ کی وجہ ہے کہ کشمیری عوام اپنی سیاسی بیداری کے جنم کے موقع پر جہاں تھے آج بھی وہیں ہیں اور آئندہ بھی رہیں گے۔ کیونکہ ان کے حصے میں ایک ایسی شخصیت رہنما بن کر آئی ہے جو دہلی میں سفید کپڑوں میں ملبوس ہوکر پریس کانفرنس کے سامنے کہہ رہا ہے:

"بھارت اور ہمارے درمیان کوئی بنیادی اختلاف نہیں ہے اور ہمیں مسئلہ کی جانب حکومت ہند کی رائے میں دلچسپی نظر آتی ہے اگر رائے شماری کرانے سے مشکلات پیدا ہونے کے امکانات ہوں تو دوسرے راستے تلاش کیے جاسکتے ہیں۔ ہم نے ہندوستان کے ساتھ سوچ سمجھ کر الحاق کیا ہے۔"

دہلی میں پریس نمائندوں کے سامنے اس قسم کا بیان دینے کے بعد وہ سرینگر آتے ہیں تو انہی

کپڑوں پر سیاہ پٹی باندھ کر عوام سے فرماتے ہیں:

"یوم سیاہ منانے کا مدعا و مقصد کیا ہے ——؟ یہ کوئی تماشہ نہیں ہے، ہمیں سبق حاصل کرنا ہے۔ ۹ اگست ۱۹۵۳ء کے واقعہ نے ہمیں سبق دیا کہ کوئی بھی معاہدہ دو طاقتور ملکوں کے درمیان ہو یا دو انسانوں کے درمیان ان میں سے اگر ایک کمزور ہو تو معاہدہ ایک بہت بڑی غلطی ہے بڑی مچھلی ہمیشہ چھوٹی مچھلی کو کھا جاتی ہے۔



۹ اگست نے ثابت کر دیا ہے کہ ایک طرف وہ ملک جو ساز و سامان سے لیس تھا اور بڑا ملک تھا اور دوسری طرف ایک چھوٹا غریب ملک تھا، جس کو یہ ہڑپنا چاہتا تھا۔

یہ توقع تھی کہ کبھی معاہدہ کی خلاف ورزی نہیں کریں گے مگر یہ غلط ثابت ہوا۔ ہمیں کیا معلوم تھا جس ملک کے لیڈروں نے معاہدوں پر زور دیا وہ اپنی طاقت کے بل بوتے پر ہمیں زیر کریں گے۔

۹ اگست کا واقعہ ہمیں یہ یاد دلاتی ہے کہ اپنی آزادی اور اپنی بقا کے تحفظ کی خاطر ہم آگے بڑھیں اور باطل کے ساتھ کیا گیا عارضی معاہدہ توڑ دیں۔"

اندازہ کیجیے دہلی اور سرینگر کے ان بیانات میں کتنا بڑا تضاد ہے، اور یہ تضاد کیا کسی غیرت مند اور باشعور قوم میں چل سکتا ہے؟

کیا ایسا شخص انسانوں کا لیڈر ہو سکتا ہے؟

اس میں شک بالکل نہیں کہ شیخ صاحب کشمیری عوام کو انسان نہیں بلکہ بھیڑ بکریاں سمجھ رہے تھے ورنہ جو شخص چھوٹے اور بڑے ملک کے درمیان سمجھوتہ اور معاہدہ کی ایسی تاویل کرے لوگوں کو ایسے معاہدوں کے نقصانات اور خطرات سے آگاہ کرے اور پھر اسی طاقت ور کے ساتھ معاہدہ کرے تو اُن کے ساتھ اپنے بارے میں جو کچھ بھی کہا جا سکتا ہے جو بھی فتویٰ دیا جا سکتا ہے، بجا ہے۔

وقت پر اپنے مقدر آزما لیتے ہیں لوگ
ایک چہرے پر کئی چہرے لگا لیتے ہیں لوگ

محاذِ رائے شماری کے پاکستان کے ساتھ تعلقات

وادی میں آپریشن ۹ اگست ۱۹۵۳ء کے بعد جو ایک نیا دور شروع ہوا اس میں کشمیری عوام کے ساتھ پاکستانی حکمرانوں کو بھی شیخ عبداللہ کی برطرفی اور گرفتاری کے بارے میں بڑی بھول ہوئی اور وہ بھی ہماری طرح سخت قسم کی غلط فہمی کا شکار ہوئے [redacted] یا ہو سکتا ہے وہ شیخ عبداللہ کی گرفتاری سے پیدا شدہ صورت حال کو اپنے موافق بنانے کی غرض سے سامنے آئے ہوں۔


(بیگم عبداللہ)

پاکستانی حکمرانوں نے اگست آپریشن کے ساتھ ہی یہاں اپنے وفود بھیجنے شروع کیے جو بیگم عبداللہ کے علاوہ نیشنل کانفرنس کے لیڈروں سے ملے جو یا تو قید سے چھوٹ گئے تھے نہیں تو قید ہونے سے بچنے کے لیے چھپ گئے تھے۔ ان لیڈروں نے پوشیدہ طور پر بیگم عبداللہ سے رابطہ قائم رکھا۔

پاکستان سے چوری چھپے ایک کے بعد ایک وفد یہاں آیا تو انھوں نے نیشنل کانفرنس کے انڈر گراؤنڈ اصحاب کے ساتھ مل کر آپس میں خط و کتابت کے لیے اہم شخصیات کے ساتھ بعض چیزوں اور جگہوں کے کوڈ نام رکھ دیئے تاکہ سرکار کو اصلیت کا پتہ نہ چل سکے، ان کوڈ ناموں کی فہرست اختصار کے ساتھ حسب ذیل ہے:۔

نمبر شمار	اصل نام	کوڈ نام
۱۔	شیخ محمد عبداللہ	عظیم - بھائی
۲۔	بیگم شیخ محمد عبداللہ	عابد، زینت الاسلام، ہمشیرہ

نمبر شمار	اصل نام	کوڈ نام
۳-	مرزا افضل بیگ	عتیق ، اسرائیل
۴-	صدرالدین مجاہد	رحمت
۵	محمد سعید مسعودی	وحید
۶-	صوفی محمد اکبر	وحید نعیم
۷-	حکیم حبیب اللہ	شاہسوار
۸-	غلام محی الدین ہمدانی	حیدر
۹-	مولوی یوسف شاہ	عرش
۱۰-	پیر محمد مقبول	نور - لالہ مہر چند
۱۱-	مبارک شاہ	کریم
۱۲-	خواجہ علی شاہ	شفیق
۱۳-	غلام محمد شاہ	اسد
۱۴-	ثناء اللہ شاہ	بہاری
۱۵-	محمد علی (وزیر اعظم)	اشرف
۱۶-	بخشی غلام محمد	ملزم
۱۷-	غلام محمد صادق	لیپی
۱۸-	میر قاسم	کمینہ
۱۹-	بخشی رشید	ہڑتہ مٹہ
۲۰-	ڈی ، پی ، در	مشیر
۲۱-	پولیس آفیسر (مخدومی)	شیطان
۲۲-	مردولا سارابائی	شریف
۲۳-	غلام احمد عشائی	صبور
۲۵-	پنڈت نتھ بزاز	منصور

نمبر	اصل نام	کوڈ نام
۱	سیکورٹی کونسل	منشی
۲-	ہندوستان	بارہمولہ
۳-	پاکستان	سوپور
۴-	سرینگر	رام پور
۵-	آثار شریف	مجلس
۶-	جامع مسجد	مکتب
۷-	آزاد کشمیر	لکھنؤ
۸-	کراچی	سمندر
۹-	کشمیر	تالاب
۱۰-	کانگریس	کانٹا
۱۱-	پوسٹر	چوب
۱۲-	اسٹیج	چاٹ
۱۳-	بنگولہ	کانگڑی
۱۴-	جلسہ	مولود
۱۵-	ہڑتال	حیلہ
۱۶-	جلوس	گھڑی
۱۷-	نعرہ	سرور
۱۸-	گرفتاری	شیریں
۱۹-	اسلحہ وغیرہ	میوہ
۲۰-	قتل	شاخ تراشی
۲۱-	روپے	اخروٹ - پوری - انڈے
۲۲-	ڈکٹیٹر	خرو
۲۳-	اسمبلی ممبر	کاشتکار
۲۴-	مسلم کانفرنس	خدمت

۲۵۔	پولیٹیکل کانفرنس	چاند
۲۶۔	کشمیری پنڈت	سوداگر
۲۷۔	پاکستان پیوپلز پارٹی	لپا
۲۸۔	اپوزیشن اسمبلی پارٹی	مادھورام
۲۹۔	ہمارا کارندہ	سری کانت
۳۰۔	دہلی کا کارندہ	فوٹو والا
۳۱۔	ڈی۔ ایس۔ پی راولپنڈی	ابراہیم

اصل اور کوڈ ناموں کی یہ فہرست مکمل نہیں ہے۔ اس لیے کہ پاکستان اور کشمیر کے درمیان جو خط و کتابت دستیاب ہو سکی ہے ان میں بعض ایسے نام بھی ہیں جو کوڈ لسٹ میں درج نہیں ہیں۔ اس لیے اغلب ہے کہ دوسری لسٹ بھی ہو گی جو تلاش بسیار کے باوجود حاصل نہ ہو سکی اس سلسلے میں مسٹر بی۔ این ملک کی کتاب "نہرو کے ساتھ میرے سال" سے استفادہ کا ذکر کرنا ضروری ہے جس کے مطالعہ کے بغیر یہ ساری معلومات حاصل کرنا قدرے مشکل تھا۔

پاکستان اور کشمیر کے درمیان جو خط و کتابت ہو رہی تھی وہ کنٹریکٹر جے اینڈ کے فرم یعنی نیشنل کانفرنس (جو بعد میں محاذ رائے شماری بنی) اور کنٹریکٹر خواجہ فرم یعنی پاکستان کے درمیان ہو رہی تھی۔

آپریشن اگست ۱۹۵۳ء کے بعد جو خط کشمیر سے پاکستان گیا ہے وہ ۳ ستمبر ۱۹۵۳ء کا ہے جو کنٹریکٹر خواجہ فرم کو بھیجا گیا ہے۔

"کنٹریکٹر خواجہ فرم

آپ کی طرف سے دوسرا..... موصول ہوا، بہت شکریہ! کنٹریکٹ (یعنی الحاق) کے بارے میں آپ کے ہمدردانہ خیالات سے متاثر ہوں حالانکہ میں نے حتی المقدور کوشش کی ہمارا فیچر (پروگرام) آپ تک اور آپ کے جی ایم (حاکم اعلیٰ) تک پہنچے لیکن جیسا آپ کو معلوم ہے اس کی صحت ٹھیک نہیں۔ بہرحال جو آدمی آپ تک یہ (خط) پہنچا رہا ہے ہمارا اپنا آدمی ہے اس کا نام انیل پاکن ہے اور وہ آپ سے ذاتی طور پر کنٹریکٹ

(الحاق) کے بارے میں بات کرے گا، اس لیے آپ اس کو اپنے جی ایم (حاکم اعلیٰ) کے پاس لے جا سکتے ہیں، بات کرنے کے بعد مجھے کہہ دیجئے کہ آپ کے جی ایم کے ساتھ کیا فیصلہ ہوا، حالانکہ میں نے ایک دوسرا ہی آدمی آپ کے پاس کوئی دو ہفتے پہلے بھیجا تھا تاکہ دو چیزوں پر بات کرے جو انیل پاکن آپ کو سمجھائے گا۔ وہ ہمارا ہی آدمی ہے لیکن اس کو کنٹریکٹ کے بارے میں بات کرنے کی اجازت نہ دی گئی کیونکہ یہ معاملہ اس کے درجے کے برابر نہیں ہے۔

میں اس بات کا بہت خواہشمند ہوں کہ کنٹریکٹ (الحاق) مضبوط بنیاد پر چلتا رہے، جمعدار بھی ہمارا ہی آدمی ہے، وہ مجھے ملا اور بہت سی باتیں سمجھا دیں۔

کنٹریکٹر جے اینڈ کے فرم"

۲۳ ستمبر کو پاکستان سے جو خط آیا وہ کسی اکبر خاں کے نام تھا اور اس کا مضمون یہ تھا:

"مجھے افسوس ہے کہ میں بہت دیر سے نہ آپ کو کچھ لکھ سکا اور نہ ہی کوئی پیغام بھیج سکا۔ کیونکہ اس طرف ان معاملات پر کوئی فیصلہ نہ ہو سکا اور اس طرف اس معاملے کو طول دے کر وقت نکل گیا مجھے یہ خیال رہا کہ میں بہت جلد فارغ ہو جاؤں گا، بہرحال معاملے پر بہت جلد فیصلہ ہو جائے گا۔ معاملات اطمینان بخش نظر آ رہے ہیں، آپ لوگوں کو پیسے کی تنگی ہو گی۔ لہٰذا میں پاکستانی کرنسی میں دو سو روپے اور ہندوستانی کرنسی میں ایک سو مقبول (پیر مقبول گیلانی) کو دے رہا ہوں، پاکستانی کرنسی میں سے مقبول کو کچھ رقم سفر خرچ وغیرہ میں کام آئے گی..... مجھے افسوس ہے کہ میں ابھی تک آپ لوگوں کے پاس کیوں نہ پہنچ سکا۔ میں حالات سے مجبور ہوں میں ضروری چیزیں اپنے ساتھ لاؤں گا۔"

آپ کا

(دستخط انگریزی)

ایک خط جو کسی حسن جو نے غلام محمد کو لکھا۔

" میں نے آپ کا خط وصول کیا، جس کا جواب میں نے دے دیا، میں اُن دِنوں یہاں پر نہیں تھا۔ میں نے وہ تجویز پسند کی جو آپ نے کی ہے کتنا اچھا ہوتا اگر کام پہلے ہی سے شروع کیا گیا ہوتا، میرے آدمی آرہے ہیں آپ اُن سے بات کریں اگر آپ بہتر سمجھیں تو ایک میٹنگ بلانے کی کوشش کریں موسم بدل رہا ہے اور شاید یہ ممکن نہ ہوگا کہ یہ کام کچھ دیر کے لیے رُک سکے میں نے اپنے آدمیوں کو زبانی سب کچھ سمجھا دیا ہے۔

آپ کا

حُسن جُو

۱۲ اگست ۱۹۵۵ء کو پاکستانی سراغ رساں ایجنسی کے ایک آفیسر کا خط سرینگر دستی روانہ کیا گیا۔ چٹھی رساں کے لیے جو ہدایات تھیں وہ حسبِ ذیل ہیں :۔

" سرینگر پہنچنے کے بعد آپ محی الدین صاحب (ہمدانی) اور مرزا افضل بیگ سے ملیں اور اس کے بعد میرے پاس آنا اُن سے مفصل رپورٹ حاصل کرنے کے ساتھ یہ ضروری ہے۔ اگر آپ سے ہوسکے تو اُن کی طرف سے ایک خط لائیں۔ اگر اُنہیں کسی امداد کی ضرورت ہو....."

دستخط

تاج الدین خواجہ

بیگم شیخ عبداللہ نے جو خط پاکستان روانہ کیا اس طرح ہے :۔

" محترم برادر ابراہیم صاحب!

مبارک ہو، آپ کا پانچ سو روپے کا تحفہ جس کی رسید بہاری جی (نثار اللہ شاہ) نے ۱۴ نومبر ۱۹۵۵ء کو بھیجی تھی مجھے ملا اس کے لیے میری طرف سے دِلی شکریہ قبول فرماویں۔

ہمارے دوسرے معاملات بہاری جی آپ کو رپورٹ کریں گے۔

آپ کی خیر اندیش

زینت الاسلام "

مرزا افضل بیگ نے اپنی رہائی پر نیشنل کانفرنس کو توڑ کر محاذ رائے شماری

اور یہ محاذ خفیہ طور پر پاکستان کے ساتھ رابطہ بنائے ہوئے تھا۔ ریاست میں غلام محمد نے اپنے پاؤں مضبوط کر لیے تھے اور کسی حد تک انہوں نے اپنا کھویا وقار بحال کر لیا تھا لوگوں کی اکثریت ان سے ناراض تھی ہی اس کے باوجود انہوں ۱۹۵۷ء میں اسمبلی انتخابات کا اعلان کیا، یہ اعلان ہوتے ہی محاذ رائے شماری کی تنظیم حرکت میں آگئی اور پاکستان کے ساتھ رابطہ رکھ کر دونوں نے کشمیر میں ل و غارت کا ایک پلان بنایا۔

عام انتخابات سے پہلے پہلے ریاست کی کابینہ خاص طور پر کشمیر کے منسٹروں کو ان سے ختم کر دینے کا فیصلہ لیا گیا جموں کے منسٹروں کو قتل کے منصوبے سے علیحدہ رکھا تاکہ جموں کے لوگ بدلے کی کارروائی نہ کر سکیں، اس بارے میں ۱۳ اکتوبر ۱۹۵۷ء کو بی (محاذ کے لیڈر) کی طرف سے محمد اکرم (پاکستانی انٹیلی جنس آفیسر) کو ایک تفصیلی لکھا گیا۔

" برادر اکرم! السلام علیکم!

آپ کی یاد آوری کا بہت ممنون ہوں، ذاتی چٹھی اس وقت تک نہیں لکھی کیونکہ بھائی صاحب عزیز جُو آپ کو کماحقہ حالات سے اطلاع دیتے رہے ہیں، حاجی صاحب کے چلے جانے کے بعد ان کے جانشین کے متعلق کافی مشکلات پیش آئیں نہ "افیم" راضی ہوا نہ "فیل"، چنانچہ قرعہ فال آپ کے ہی علاقے کے آدمیوں پر پڑا وہ "افیم" کے کچھ زیادہ ہی زیر اثر ہیں اور "افیم" کچھ زیادہ ڈرپوک واقع ہوئے ہیں میرا خیال ہے وہ مطابق آئین کام کیے جانے کے بہانے سے چھپاتے ہیں۔ قحط الرجال کچھ زیادہ ہی در کروں پر پڑا ہے۔

احمد صاحب کی گفتگو والی چٹھی مطابق فہمائش اپنے چند احباب تک محدود رکھی گئی تھی مگر معلوم نہیں کہ کس طرح اس کی ایک نقل کسی اور کے ہاتھ میں آئی جس نے اس کی کاپیاں کر کے تقسیم کیں اس کا ردعمل بہت اچھا ہوا ہے اور اب ہمارے دیرینہ دشمن بھی کھلم کھلا احمد جو (شیخ عبداللہ) کی پوزیشن کو سراہ رہے ہیں..... میری ذاتی رائے یہ تھی کہ

"ایفمی" بیان ۱۰ اکتوبر کو چاہیے تھا اس کی کاپیاں قبل از وقت ہی دہلی بھیجدی جائیں تاکہ وہاں بھی وہ بیان دینے کے بعد ۱۰ ر یا ۱۱ ر اکتوبر کو تقسیم کی جائیں مگر جو خلیل جُو (افضل بیگ) کا پیغام آیا ہے اور پھر احمد جو (شیخ عبداللہ) کی چٹھی آئی وہ بھی تقریباً ایک جیسی ہے۔ لہٰذا اکثریت کی رائے پر ۲۲ ر اکتوبر تک معاملہ ملتوی کیا گیا۔ گفتگو کی کاپی جو احرار (صادق صاحب) کو لکھی گئی اور بیان کی کاپیاں سب حیدر خان (پاکستان) کو بھیجدی گئی ہیں تاکید کی گئی ہے ان کے شائع ہونے کے ساتھ وہاں بھی روانہ کریں اور مختلف زبانوں میں اور ٹریکٹ بنا کر تقسیم کیے جائیں امید ہے یہ سب کچھ کیا جائے گا، سیکورٹی کونسل کے نام جو چٹھی تھی وہ بھی ان کو بھیجدی گئی ہے، یہ لوگ اصل اور مستند کاپی چاہتے ہیں لہٰذا وہ بھی بھیجدی گئی ہے مگر ان سے کہا گیا ہے کہ اصل کاپی استعمال نہ کی جائے .....

دونوں کاپیاں آپ کے ملاحظہ کے لیے شامل ہیں۔ یہ بھی حیدر خاں (پاکستان) کو روانہ کر دی گئی ہیں۔

مشکل یہ ہے کہ ڈاکخانہ جات آج بھی پٹھانکوٹ اور دہلی میں ایسے کاغذات کھول دیتے ہیں، خاص آدمی یہاں سے بھیجدیا جائے وہ بھی مشکل ہے، کیونکہ ہمارے خرچہ کرنے کے باوجود کوئی بھی ذمہ داری قبول نہیں کرتا اور پھر راستے میں اس کی تلاشی لی جاتی ہے اس مسئلے کا کوئی خاطر خواہ حل نہیں مل سکا۔ ایک معتبر آدمی پچھلے ہفتے یہاں آیا تھا اس کے ساتھ کافی دیر تک بات چیت ہوتی رہی اور ہماری پوزیشن اُس پر اچھی طرح واضح کی گئی وہ کھلم کھلا سامنے آنے کے لیے تیار ہو رہا تھا۔ میں نے اس پر واضح کر دیا کہ معاملے کو معرض التوا میں ڈالنے سے کیا نقصانات ہیں اور اغلب ہے کہ اگر اور دیر ہوئی تو ناقابل تلافی نقصان اٹھانا ہوگا دوسرے میں نے اس پر یہ بھی واضح کر دیا تھا کہ باغ کی شاخ تراشی (کیبنٹ منسٹروں کو مارنا) ضروری ہے۔ انھوں نے قلنچی اور دوسرا سامان (بندوقیں اور دستی بم)

بھیجدیا مگر مالی (قاتل) نہیں تھا، اس لیے اس سے کہا گیا کہ وہ گاؤں (پاکستان) سے مالی (قاتل) بھیج دے۔ کپڑے (بخشی گروپ) جو بڑے ہیں ان کے لیے فوری شاخ تراشی (جان سے مار ڈالنا) ہی کارگر ہے۔ آپ کی رائے کے بارے میں پوچھا، اُن کا اگلا پروگرام کیا ہے؟ اگر آپ مناسب سمجھیں تو اس کے متعلق بالتفصیل ہدایات بھیج دیں۔

خرچ بہت زیادہ ہے بنک والا روپیہ تقریباً سارا ختم ہوا ہے اس لیے ہمیں اس کے لیے اور جدوجہد کرنا پڑے گی۔ امید ہے کہ اس میں کوئی دقت نہیں ہوگی۔ یہاں حالات خراب ہیں اس لیے حیدر خاں (پاکستان) کو ہی کچھ کرنا پڑے گا۔ عزیز جو آج پندرہ دن سے ہندوستان میں اپنے صاحب زادے کو دیکھنے چلے گئے ہیں، انشاء اللہ اگلے ہفتہ واپس آئیں گے یہاں ہم آہنگی بالکل نہیں ہے اپنے آدمی کام کرنے سے جی چُراتے ہیں سروری (ور کر) اور "فیل" خراب ہو گئے ہیں اور اُن کے دیکھا دیکھی حالات اور بھی خراب ہوتے جا رہے ہیں، کسی وقت آدمی تمام امید کھو دیتا ہے، لیکن خدا پر بھروسہ کر کے کوئی راستہ ضرور مل جائے گا۔ ....

تم نے اخبار میں پڑھا ہوگا۔ میجر اٹلے (اقوام متحدہ کا نمائندہ) آ رہا ہے اس کو پیش کرنے کے لیے کوئی سپاسنامہ ہونا چاہیے ورنہ وہ بھی روسی لیڈروں کی طرح کاغذی پھولوں کو مصدق سمجھے گا۔ لہٰذا اصل واقعات انکے سامنے رکھے جائیں، دیکھیں کہ کون ایسا کرنے کی جرأت کر سکے گا۔ آپ اس کے بارے میں بھی ہدایات روانہ کریں۔

بخشی کی وزارت میں تعطل جاری ہے اور کوشش کی جا رہی ہے کہ احرار (صادق) در۔ میر قاسم، غنی ترالی اور صوفی وغیرہ کو الیکشن میں شامل نہ کیا جائے، دیکھیں کیا ہوتا ہے .....

میرا خیال ہے کہ تمام کاغذات ٹریکٹ کی صورت میں ایک نمائندہ خط کے ساتھ سیکورٹی کونسل کے پریذیڈنٹ اور بھارت کے پریذیڈنٹ کو بھیج دینی چاہیئے۔ آپ کا کیا خیال ہے۔

میری طرف سے سب دوستوں اور بزرگوں کو سلام۔

آپ کا مخلص :

جی۔ بی

اس سلسلے میں پاکستان سے جو خط آیا حسبِ ذیل ہے۔

" ڈیر آزاد !

اس خیال سے کہ راستے برف اور جاڑے کی وجہ سے بند نہ ہو جائیں یہ سوچا گیا ہے کہ کام جلدی ختم کیا جائے تاکہ بعد میں کوئی مشکلات نہ ہوں خداوند تعالیٰ نے ہمارے لیے موسم صاف رکھا۔

تم بھی اپنی مجبوریوں کی وجہ سے جو تمہاری دسترس سے باہر تھے بیکس رہے، امید ہے کہ اب تم نے کام کلی طور پر کیا ہو گا یہ خدشہ لالہ مہر چند (پیر مقبول گیلانی) جو باہر رہے ہیں، جس کی وجہ سے کافی رکاوٹیں ہوں گی۔

اسرائیل جی (افضل بیگ) کے واپس آنے پر دور ہوں گی، جو کام کو جاری رکھ سکے گا کیونکہ وہ اہل ہے، مجھے یقین ہے کہ ہماری تحریری ہدایات کے مطابق تم نے اسرائیل جی سے مشورہ کیا ہو گا۔ اگر ایسا ابھی تک نہیں کیا گیا ہے تو یہ آپ کے لیے ضروری ہے کہ اب ایسا کریں، کیونکہ ابراہیم جی (ڈی، ایس پی راولپنڈی) نے خاص طور سے یہ ہدایات دی ہیں کہ کام کو آگے جاری رکھنے کے لیے اسرائیل جی سے مشورہ کیا جانا چاہیئے تاکہ کام اُن کی ہدایت کے مطابق کیا جائے لہٰذا میں اسرائیل جی کے نام آپ کو علیحدہ ایک خط بھیج رہا ہوں، اگر اس کا منشور نہیں لیا گیا ہے تو آپ کو اب تین یا چار روز کے اندر ان سے صلاح مشورہ کرنا چاہیئے۔ . . . . .

آپ کا پیارا میرے ساتھ ہے اور وہ ٹھیک ہے۔ آپ کو سلام بھیجتا ہے وہ کہتا ہے کہ اس کے پاس کسی کو بھیجنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اُسے کوئی مشکل بھی درپیش نہیں وہ یعقوب خاں کے ساتھ یہاں پہنچ

گئے ہیں۔ بریہی میاں کو میرا اسلام کہنا۔ ہمیں اس کی بیماری کی فکر ہے خدا اُسے اچھی صحت عطا کرے۔

میرے لیے کوئی حکم۔

آپ کا کارندہ۔ ابراہیم "

جو (یعنی میجر اصغر علی آف پاکستان) کا خط محاذ رائے شماری کشمیر کے نام۔

" ڈیر۔ معراج الدین صاحب !

سلام !

آپ کا خط جس میں آپ نے اپنے اچھے حالات کے بارے میں لکھا تھا اور جس کے ساتھ ایک اور خط ملا، دونوں خطوط کو بغور پڑھا گیا۔ ہم اس موضوع پر گفتگو کر رہے تھے اور یہ سب ایک اتفاق تھا میں جلدی ہی تمام واقعات پر ایک سرسری جائزہ بھیجوں گا یا خود ساتھ لاؤں گا کیونکہ وقت آگیا ہے جب کام اچھی طرح کیا جانا چاہیئے۔ شاید اس بات کا پورا فیصلہ دو یا تین ہفتوں میں کیا جائے گا، خدا نے چاہا تو آپ کے بھائی کا پورا خیال رکھا جائے گا۔ میں نے علاقائی آفیسروں کو سمجھایا ہے جس طرح آپ خود ہی نیک نیتی اور قابلیت سے کام کر رہے ہیں۔ وہ سب کو معلوم ہے دوسرا خط اُن کے لیے جب آپ کو وقت ملے تو یہ اس کو بھیج دینا۔ کوڈ ناموں کا استعمال کریں "

آپ کا : حسن جو

درجہ بالا خط سے ظاہر ہے کہ کشمیر میں تخریبی کارروائیاں کر کے کیبنٹ منسٹروں کو مارنے کا پلان بنایا گیا تھا، اس پر محاذ رائے شماری کی طرف سے یہ خدشہ ظاہر کیا گیا ہو گا کہ کہیں اس کارروائی سے ہمارے بھی آدمی مر نہ جائیں اس پر پاکستان کی طرف سے اس بات کی یقین دہانی کرائی گئی کہ آپ کے بھائی کا پورا خیال رکھا جائے گا۔ اس سلسلے کا ایک اور خط جو پاکستان سے آیا یوں ہے۔

" ڈیر، آزاد صاحب !

سلام ــ ! میں مہر چند (پیر مقبول گیلانی) کے نام ایک خط لکھ بھیجتا ہوں اس میں لفظ ملیشن کا مطلب ہندوستانی فوج اور شیر خان

کا پاکستانی حکومت ہے، اتحاد گروپ (یونائیٹڈ فرنٹ) کو چاہیے کہ وہ ضرور اپنے پروگرام میں بیرونی فوج کے انخلاء کو رکھے، پاکستانی حکومت آپ کی خواہشوں کو پورا کرنے کے لیے آزاد اور صاف حق رائے دہندگی کو مدّنظر رکھتے ہوئے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کرے گی، جیسا آپ نے کہا ہے، مشینوں (سامانِ حرب) کو لانا مشکل بلکہ ناممکن ہے، اس لیے مشینوں کو ہمارے اڑوانس ہیڈ کوارٹر پر رکھا جائے گا۔ دستاویزات جو بنانی ضروری ہیں اور تعداد جو ضروری ہے آپ کو باضابطہ پرنٹ کرکے آپ کی ضرورت کے مطابق بھیج دیا جائے گا، جونہی اس کا مسودہ ہمارے ہیڈ کوارٹر پر پہنچ جائے گا اس صورت میں سب جماعتوں کے لیے یہ موزوں رہے گا۔ آپ کا جواب آتے ہی اڑوانس ہیڈ کوارٹر پر اسٹیشنری (دستی بم) بھیجنے کا انتظام کریں گے، اس منصوبے سے سانپ مرجائے گا اور لاٹھی نہیں ٹوٹے گی۔

اپنے حالات اور مروّجہ حالات کے بارے میں مجھے لکھتے رہئے جب آپ خطوط بھیجیں تو ملک صاحب یا شاہ صاحب کے نام مت بھیجنا بلکہ کسی ذات عہدہ یا نام کا اشارہ کیے بغیر لکھیں تاکہ مکتوب کی اصلیت ظاہر نہ ہو، زیادہ سے زیادہ ابراہیم لکھ سکتے ہیں۔

آپ کا مخلص : ابراہیم "

مسٹر کرامت حسین پاکستانی انٹیلی جنس بیورو کے آفیسر کا خط محاذ کے نام

" پیارے آزاد ۔!

سلامت رہو!

آپ کے نوازش نامے سے حالات سے آگاہی ہوئی۔ میں آپ کو صحیح سلامت پاکر خوش ہوا، ہم لوگ آپ کی سلامتی کا پورا خیال رکھتے ہیں خدا سے دُعا گو ہیں کہ وہ آپ کو نقصان سے بچائیں ہم آپ کی مفید رائے جان کر بہت خوش ہیں ناراضگی کا سوال ہی نہیں یہ آپ سے اور بہاری صاحب (ثناء اللہ شاہ آف ٹنگمرگ) سے پہلے ہی معلوم ہوا تھا کہ اس

چیز (مشین گن) کو کس راستے آسانی سے بھیجا جائے۔ آج بہاری صاحب کی ذمہ داری قبول کرنے پر یہ چیزاُن کے ذریعہ بھیج رہا ہوں۔ لالہ مہرچند (پیر مقبول گیلانی) کو یہ خبر دیجئے کہ یہ چیزیں خدا کے فضل وکرم سے بہاری لال تک دو تین روز کے اندر پہنچ جائیں گی، اس لیے چاہیے کہ جب یہ چیزیں صحیح سلامت پہنچیں تو ان کی رسید بھیجدیں تاکہ مجھے تسلّی ہوجائے۔

میں حامل رقعہ کے ہاتھ دو لفافے بھیج رہا ہوں یہ ابھی ابھی موصول ہوئے ہیں، دونوں لالہ صاحب کو دینے مطلوب ہیں۔ ٹائپ کیے ہوئے لفافے میں "محمد حسین" کا مطلب آفتاب احمد خاں (پاکستانی قارن سروس) سے ہے اور "جے مصومہ" کا مطلب نیویارک ہے۔ یہ آپ لالہ صاحب کو زبانی سمجھائیں تاکہ انھیں خط کو منزل مقصود تک پہنچانے میں مشکل نہ ہو، لالہ صاحب سے ان دو خطوط کی رسید حاصل کریں۔۔۔۔ خدا تعالیٰ ہمیں اپنے پاک مقصد میں کامیابی عطا کرے۔

والسّلام

آپ کا ۔ کرامت حسین شاہ

محاذ رائے شماری کے ایک اہم رکن کی طرف سے محاذ رائے شماری کے صدر مرزا محمد افضل [illegible] کے نام جو ذاتی خط لکھا گیا، اختصار کے ساتھ درج کیا جارہا ہے۔

" میرے پیارے بھائی ۔!

آپ چاہتے ہوں گے کہ میں یہاں کے موجودہ سیاسی حالات کے بارے میں آپ کو جائزہ دیدوں۔ خلیل نے آپ کو ایک خط پہلے ہی لکھا ہے۔۔۔۔

مجھے یہ خط ایک نا امیدی نظر آتی ہے، اس کی نقل معہ رقعہ ساتھ ہے۔ اگر وہ اپنے چہیتے بچے PETCHILD کا خیال رکھنا چاہتا ہے۔ تو اس سے ہمارے نہ چاہتے ہوئے بھی دو دفتروں میں ٹکراؤ پیدا ہوگا۔ میں نے شیر گاندربل سے اس کے بارے میں گفتگو کی۔۔۔ خلیل کا خط

موجودہ حالات پر ایک جزوی جائزہ ہے، لیکن ان کے خیالات آپ کی قید سے آزادی پر قابلِ غور ہیں۔

یہ سوال ہمیں پھر دہرانا چاہیئے کہ آپ کی آزادی پر دہلی کا رویہ کیا ہوگا۔ لازمی طور پر وہ چاہیں گے کہ آپ ان کے نقشِ قدم پر چلیں ..... ان مخالف کھچاؤں کا شیخ صاحب کی رہائی پر کیا اثر ہوگا میرا خیال ہے اچھا ہی ہوگا۔ اس کے علاوہ انھیں ہمیشہ کے لیے بھی بند نہیں رکھا جا سکتا..... مادرِ مہربان اور میں نے مسٹر پکھار سے خطوط لیے ہیں، جس میں وہ ہماری طرف سے اپنے موقف پر ڈٹے رہنے کا بھروسہ چاہتے ہیں۔ مولانا مسعودی اپنی پوری صلاحیت سے ہمیں اپنے موقف سے ہٹانا چاہتے ہیں..... میرا رویہ اس بارے میں وہی ہوگا جو آج تک ہوتا آیا ہے۔

ہمارے کارکنوں کو بدستور پریشان کیا جا رہا ہے..... کچھ ہماری "رائے شماری" کی پالیسی کو نہیں مانتے ہیں۔ شاید وہ نیک نیتی سے یہ مانتے ہوں پہلے لیڈر کی رہائی ہو اور پھر عمل۔

- میرا پیارا بچہ (محاذ رائے شماری) ایک لائبریری (سامانِ حرب کا ذخیرہ) چاہتا ہے۔ مادرِ مہربان کے پاس کوئی پچاس ساٹھ کتابیں (دستی بم) ہیں جس سے وہ بچے (تنظیم) کو خوش کر سکتی ہے، وہ اچھی صحت میں (بڑے کارآمد) ہیں۔

ہمارا خیال ایک وائبنٹ کارپوریشن ایک رائے شماری جوان (یوتھ فورس) بنانے کا بھی ہے، لیکن ہمارے لوگوں کا بنیادی کردار ہمارے راستے میں حائل ہے۔ پھر بھی ہم کوشش کریں گے.....

آپ کا اپنا

خواجہ علی شاہ "

مندرجہ بالا ان بعض خطوط کے مطالعہ سے محاذ رائے شماری کے اور پاکستان

کے درمیان خفیہ تعلقات کے بارے میں کچھ تفصیلات ملتی ہیں۔ یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ کشمیر کی محاذ رائے شماری جس کے روح رواں مرزا محمد افضل بیگ اور ان کے ساتھ بیگم شیخ محمد عبداللہ تھیں، یہ لوگ پاکستان کے ساتھ ساز باز کر کے وہاں سے بندوقیں، پستول، دستی بم، حتیٰ کہ مشین گن بھی منگوا رہے تھے، تاکہ بخشی وزارت کے ارکان قتل کر دیئے جائیں، پاکستان سے سامان حرب تو آ گیا لیکن اس سامان کو استعمال کرنے کے لیے انہیں ایک بھی فرد نہیں ملا۔ بعد میں انھوں نے پاکستان سے وہ آدمی بھیجنے کی گزارش کی جو بخشی کی کیبنٹ کو قتل کر سکے۔

پاکستان سے اس کام کے لیے کوئی شخص آیا یا نہیں؟ اس کے بارے میں واقعات خاموش ہیں۔ کسی کشمیری باشندے نے یہ کام کیوں نہیں کیا؟ کیا یہ لوگ سرے سے ہی بزدل ہیں یا کسی کو قتل کرنا ان کی فطرت سے بعید ہے؟

یہ کچھ ایسے سوالات ہیں جن پر تحقیق کی ضرورت ہے۔



چند روزہ وزیر اعظم

خواجہ شمس الدین

تمام عمر کجروی سے رہا ایک ربط خاص
ہم بے اصول لوگ بھی کیا با اصول تھے

پاکستان اور محاذ رائے شماری کے درمیان لین دین کا رابطہ

اگست ۱۹۵۳ء کے آپریشن کے بعد شیخ عبداللہ کی پارٹی جو پہلے نیشنل کانفرنس کہلاتی تھی اور پھر محاذ رائے شماری بن گئی، ہندوستان کے رہنماؤں کی کاروائی سے سخت متنفر ہوگئی اور وہ پاکستان کو اپنا دوست ظاہر کر کے خفیہ طور پر اس کے ساتھ الحاق کرنے کی کاروائی کرنے لگی، اگست ۱۹۵۳ء کے بعد محاذ رائے شماری کی لیڈر شپ کو اب اپنی نجات صرف پاکستان میں نظر آنے لگی۔ اب وہ باضابطہ طور پر پاکستان کے ساتھ لین دین کرنے لگے، یہ لوگ وہاں سے رقومات اور ہتھیار حاصل کرنے لگے، یہ اور ہتھیار حاصل کر کے ہندوستان کے خلاف استعمال میں لائے جانے لگے جس پاکستان کے بارے میں کشمیر کے عوامی رہنما شیر کشمیر شیخ محمد عبداللہ کہا کرتے تھے۔



" (۱) میں موت کو گوارہ کر سکتا ہوں لیکن پاکستان کے ساتھ شامل ہونا گوارہ نہیں کر سکتا، ہم ایسے ملک کو منہ لگانا بھی پسند نہیں کرتے جو ہمیں غلام بنانا چاہتا تھا، پاکستان کو ہماری آزادی کے ساتھ کوئی دلچسپی نہیں ہے پاکستان کو یہ کہنے کا کوئی حق نہیں کہ کشمیر میں ایک غیر جانبدار انتظامیہ ہونا چاہیے۔ میں جموں و کشمیر کے معاملات میں پاکستان کو بطور ایک فریق تسلیم کرنے سے انکار کرتا

ہوں۔ (۵ فروری ۱۹۴۸ء سلامتی کونسل میں بیان)

(۲) ہمارے ملک کو پاکستان کے حملے کا نشانہ بننا پڑا، یہ حملہ آور دو قوموں کی تھیوری کے منافرت انگیز اسلحہ سے لیس تھے۔ میرا عقیدہ ہے کہ دو قوموں کا نظریہ نہ صرف معاشرتی اور جمہوری اصولوں کے خلاف ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے احکام اور اس کی رضا کے بھی منافی ہے۔"

(تقریر: جموں و کشمیر نیشنل کانفرنس کے حالانہ جلسہ مئی ۱۹۴۹ء)

(۳) ہمارے اعتقادات اور پاکستان کے خیالات میں کوئی بات مشترک نہیں ہے، پاکستان کا وجود انسانی نفرت پر ہے، مقاصد اور نظریات کی مماثلت نے نیشنل کانفرنس اور انڈین کانگریس کو ایک ہی لڑی میں پرو دیا ہے۔"

(ریڈیو کشمیر کی پہلی سالگرہ ۲۰ مئی ۱۹۵۰ء کی نشری تقریر)

(۴) کشمیر ہندوستان میں قطعی طور پر شامل ہو چکا ہے جس طرح دو متوازی خطوط کبھی نہیں مل سکتے اسی طرح کشمیر اور پاکستان کا ملاپ ممکن نہیں ہے ہماری پالیسی اور پروگرام ہندوستان کی پالیسی اور پروگرام کے مطابق ہے۔" نیا کشمیر" اور پاکستان کبھی آپس میں نہیں مل سکتے، پاکستان تو استحصالی عناصر کی جنت ہے ہماری ان کے ساتھ کوئی مطابقت نہیں۔

(ریڈیو کشمیر کی دوسری سالگرہ جولائی ۱۹۵۱ء کی نشری تقریر)

(۵) ترجیحی بنیاد پر کشمیر کو ہندوستان میں شامل رہنا چاہیئے نہ کہ پاکستان میں کیونکہ فرسودہ قرآنی نقطۂ نظر رکھنے والی حکومت (پاکستان) کے تسلط میں جانا کشمیر کے لیے تباہ کن ثابت ہوگا۔

(امریکی سفیر لائے اینڈرسن کے سامنے بیان ۱۹۵۰ء)"

پاکستان کے بارے میں اس قسم کے خیالات رکھنے، اتنی زیادہ نفرت کرنے اور اُسے مکمل دھوکہ فریب اور فراڈ سے تعبیر کرنے، اُسے اسلامی ملک ماننے سے انکار اور اُس مسلمان ملک کے قرآن کو فرسودہ قرآن کہنے، پاکستان کو تمام برائیوں کی جڑ ماننے کے بعد (ہندوستان کے ساتھ لاکھ اختلاف کے باوجود) پاکستان سے ہتھیار اور دولت حاصل کرنے کا کونسا اخلاقی جواز تھا؟

ہندوستان کی کارروائی کے باوجود انہیں ہرگز یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ اس پاکستان کی طرف رجوع کرے جس پاکستان کے بارے میں ان کے اندر نفرت کوٹ کوٹ کر بھری پڑی تھی پاکستان کے بارے میں شیخ عبداللہ کے وچار ایسے ہی تھے جو راون کے بارے میں رام کے تھے۔ راون کو ظالم جابر، ہتھیارا اور لٹیرا ماننے کے بعد ان کے ضمیر اور غیرت نے پاکستان کے ساتھ سازباز کرنے کی اجازت کیسے دی؟ سمجھ سے بالاتر ہے۔

شیخ صاحب جیل میں تھے یا جیل سے باہر پاکستان کے ساتھ اس سازباز سے ہرگز غافل نہ تھے، وہ جیل میں ہی محاذ رائے شماری کے لیے ہدایات دیا کرتے تھے اس کی مثال اس خط سے مل سکتی ہے جو پاکستان سے کشمیر بھیجا گیا۔

ایک خط جو مسٹر نیازی (پاکستان کے انٹلی جنس بیورو آفیسر) نے بیگم عبداللہ کو بھیجا تھا:۔

" محترمہ! سلامت رہو!

السلام علیکم

میں آپ کے پاس ملک صاحب کو بھیج رہا ہوں یہ آدمی میرا عزیز اور مہربان بھی ہے، آپکی خدمت میں بھیج کر عرض ہے کہ آپ براہ نوازش ان کے ذریعے مشورہ کر سکے جناب شیر کشمیر صاحب و ان کے دیگر احباب اپنے ذمے لیں تاکہ حامل ہذا آپ کی خط و کتابت ہمارے پاس پہنچا کر جواب آپ تک لے جائیں، نیز روپیہ و دیگر ضروری چیزیں جو جماعت کے لیے مخصوص ہوں آپ تک پہنچائے، اگر آپ یہ ذمہ داری قبول کرنے پر تیار نہ ہوں تو اسی محبت سے احباب مذکورہ صدر کی خدمت ہماری جانب سے عرض کی جائے کہ وہ اس معاملہ میں کس صاحب کو معمور کریں اور اس کا فوٹو و دستخط کے نمونے دفتری طریقہ جس پر اُسے روپیہ باہم پہنچایا جا سکے۔ نہایت مفصل تحریر کر کے بھجوائیں اس سلسلہ کی تحریر منجانب مرزا صاحب

یاخواجہ علی شاہ صاحب ہونی لازم ہے اور اگر جناب والا شان جناب شیر کشمیر کی جانب سے ہو تو کیا کہنے۔

آپ کا مخلص بھائی

نیازی "

مسٹر نیازی (پاکستانی انٹلی جنس بیورو کا ایک اور خط بیگم عبداللہ کے نام :-

محترمہ ہمشیرہ صاحبہ !

بعد آداب عرض ہے کہ آپ کی جانب سے دس ہزار کی رسید موصول ہوئی لیکن خط نہیں آیا۔ براہ نوازش مفصل حالات سے مطلع فرماویں۔ محترم بھائی صاحب (شیخ صاحب) کی خدمت میں ایک خط دوسرے ذریعہ سے بھجوایا تھا۔ ان کے جواب کا سخت انتظار ہے اس خط کی ایک نقل بھیج رہا ہوں امید ہے کہ جواب جلد دیا جائے گا۔

پچیس ہزار روپے مولوی (غلام مصطفےٰ) صاحب کے ہاتھ بھیج دیئے ہیں امید ہے اس خط کے ساتھ مل جائیں گے۔

مزید ضروریات سے مطلع کریں۔

آپ کا بھائی

نیازی "

26-9-55

محترم بھائی صاحب !

سلام مسنون



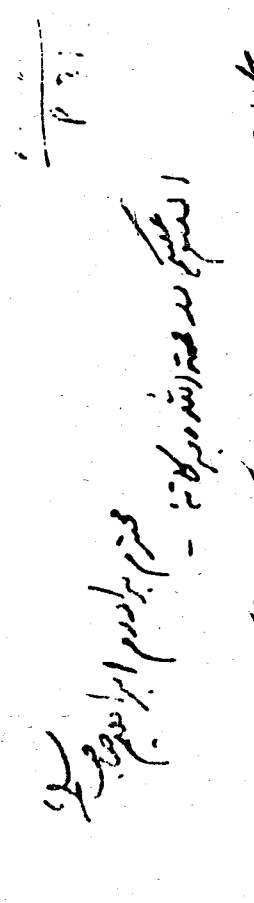


بیگ صاحب بیگم عبداللہ

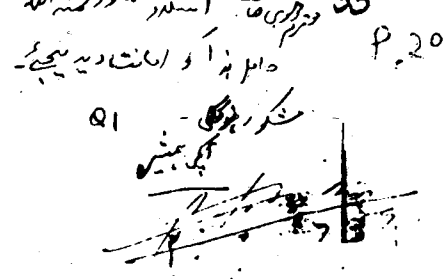
اس خط سے صاف ظاہر ہے کہ محاذِ رائے شماری کے بارے میں ہدایات شیخ محمد عبداللہ جیل سے بھیج دیتے تھے اور محاذِ رائے شماری کی ساری باگ ڈور انھوں نے بیگ صاحب اور بیگم صاحبہ کے ہاتھ میں رکھدی تھی۔ محاذ رائے شماری کے لیے جو رقومات پاکستان سے آتی تھیں وہ بیگم صاحبہ وصول کر لیتی تھیں اس کے چند ایک نمونے یہاں شامل کیے جا رہے ہیں۔

EX. P-212

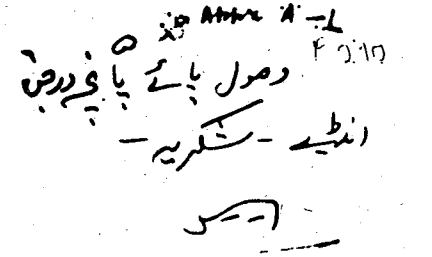
EX. P-31



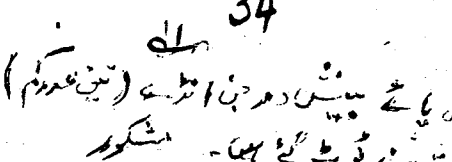
EX. P-207



EX. P-210



EX. P-208



لہ بیس ہزار روپے میں سے تین ہزار کم تھے۔ اُسی کی طرف اشارہ ہے۔ یہاں انڈ
مراد روپے ہیں۔

(27)
Q 36

(۱) اصحاب کو تسلیمات

EX. P-206

Q 14

EX. P-203

28 92

P. 203

باعث قیمہ آنکہ مبلغ بیس ہزار روپیہ
بذریعہ حوالوی صاحب ہیڈ چگہ وشکر رہیں۔
آپکا ہمشیر
10.10.56

EX. P-201

P. 201

باعث تحریر آنکہ
مبلغ دس ہزار روپیہ از آن مکہ
وصول پائے فقط
آپکا ہمشیرہ

B-107

EX. P-257

لہ دس ہزار اردو سو گنا میں اصل میں روپے ہیں۔

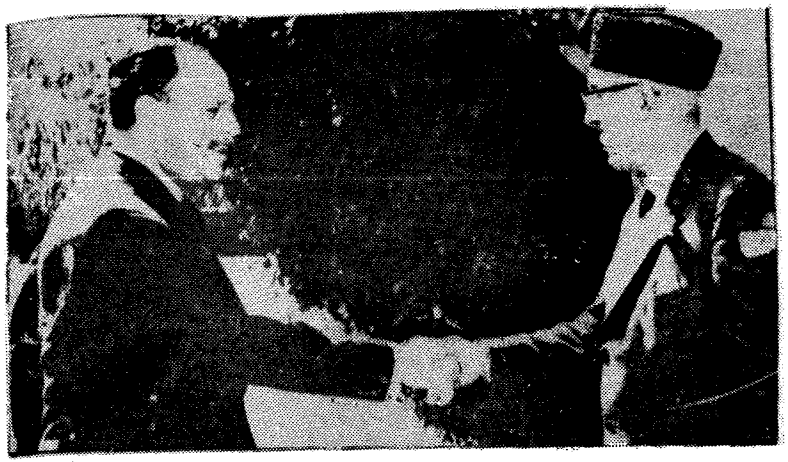
EX. P-202

P.202

پاکستان سے مختلف اوقات پر اور مختلف افراد کے ذریعے جو دولت یہاں
اس کو انھوں نے ایک وہائٹ پیپر کے مطابق ۵ کروڑ بتائی ہے، پاکستان سے
کی رقم حاصل کرنے کے بعد اُن کے ساتھ جو سلوک کیا گیا وہ کسی سے پوشیدہ



کشمیر کا تنازعہ حل کرنے کے لئے
پنڈت جواہر لال نہرو شیخ صاحب کو
صدر ایوب خاں سے بات چیت کرنے کے لئے
پاکستان روانہ کر رہے ہیں۔



شیخ محمد عبداللہ ۱۹۶۴ء میں دورۂ پاکستان کے دوران فیلڈ مارشل ایوب خاں کے ساتھ



پاکستان میں شیخ عبداللہ نے مرزا افضل بیگ اور مولانا مسعودی کے ہمراہ صدر ایوب خان سے ملاقات کی تھی



راولپنڈی میں ۲۴ مئی ۱۹۶۴ء کو شیخ کا شاندار استقبال



شیخ عبداللہ کی راولپنڈی میں آمد



ایک نظر میں مدبر واعظ مولانا محمد یوسف بنّا کا اور ذوالفقار علی بھٹو بھی موجود ہیں

شیخ عبداللہ مائک پر کھڑے ہوئے

اپنی عظمت کے قصیدے خود سنائیں گے آپ
حلقۂ اہلِ نظر میں خاک ہو جائیں گے آپ

کشمیری رہنما کا دورۂ پاکستان

پنڈت نہرو کی وفات

پاکستان کے لیے شیخ محمد عبداللہ کی روانگی ۲۴ مئی ۱۹۶۴ء کو ہوئی، ان کے ہمراہ مرزا محمد افضل بیگ، مولانا محمد سعید مسعودی، خواجہ مبارک شاہ بارہ مولہ، فاروق عبداللہ خواجہ مبارک شاہ نقشبندی اور چوہدری محمد شفیع تھے۔

پاکستان روانہ ہونے سے ایک روز قبل شیخ عبداللہ نے پنڈت جواہر لال نہرو سے کوئی ۳۵ منٹ تک خفیہ بات چیت کی اور اس کے بعد خود نہرو دہرہ دون کے لیے روانہ ہو گئے۔ دہرہ دون کی روانگی سے قبل انھوں نے اخباری نمائندوں کو بتایا:

"شیخ عبداللہ سیکولرازم کے اصول پر پختہ یقین رکھتے ہیں اور کوئی ایسا قدم اٹھانا نہیں چاہتے جن سے ان اصولوں کو کسی قسم کا خطرہ پہنچنے کا احتمال ہو، وہ اس دو قومی نظریے کو بھی نہیں مانتے جو قیام پاکستان کی اساس ہے وہ ہندوستان کے لئے اپنے اصولوں پر اب بھی قایم ہیں وہ پاکستان کے ساتھ امن و آشتی کے ساتھ رہنے کے خواہشمند ہیں اور مجھے امید ہے اس طرح دونوں ملکوں کے لیے ایک دوسرے



کے قریب آنے اور دوستانہ تعلقات قایم کرنے میں مدد مل سکتی ہے، شیخ محمد عبداللہ اگر یہ سب کرا سکتے ہیں تو وہ دونوں ملکوں کی عظیم خدمت انجام دیں گے اس مقصد کے حصول کی کوشش میں ہم ہر طرح کی امداد کرنے کو تیار رہیں۔"

پنڈت جواہر لال نہرو کے اس بیان سے صاف ظاہر ہے کہ پاکستان روانہ کرنے سے پہلے شیخ محمد عبداللہ کا اچھی طرح سے "برین واش" کیا گیا اور اندر سے وہ سارے جراثیم نکال دیئے گئے جو ہندوستان کے لیے PARASITE بن گئے تھے، ان جراثیم کے بدلے ان کے اندر دو ملکوں کو ایک دوسرے کے قریب لانے کا مادہ بھر دیا گیا جس کی کوئی ٹھوس بنیاد ہی نہ تھی۔

پنڈت نہرو کا یہ کہنا کہ شیخ عبداللہ اب بھی اپنے اصول پر قایم ہیں اس سے صاف ظاہر ہے، شیخ صاحب کا یہ دورہ محض سیر و تفریح تک محدود تھا۔

شیخ عبداللہ اپنے ساتھ مسئلہ کشمیر کا کوئی حل لینے کے بجائے کچھ تحفے اور تحائف لے کر روانہ ہوئے یہی وجہ ہے کہ وہ کچھ تحفے اُن کو دینے اور کچھ تحفے وہاں سے لینے کے سوا اور کوئی کام نہ کر سکے، جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اگر پنڈت نہرو وفات نہیں پاتے تو مسئلہ کشمیر حل ہو گیا ہوتا۔ وہ محض خوش فہمی میں مبتلا ہیں۔

پاکستان کے بارے میں شیخ عبداللہ کے خیالات اور نظریات کو مدّ نظر رکھ کر دیکھا جائے تو وہ پاکستان جانے کی بات ایک طرف رکھ کر اُس کا نام بھی زبان پر لانے کے لیے تیار نہ تھے۔ ان کے دل اور دماغ پر پاکستان کی نفرت کوٹ کوٹ کر بھری پڑی تھی، پاکستان کے بارے میں انھوں نے اب تک وہ سارے الفاظ استعمال کیے تھے جو ایک بدترین دشمن کے لئے استعمال ہو سکتے ہیں۔ اس کے باوجود بھی وہ پاکستان جانے کے لیے تیار کیوں ہوئے۔؟

اس بارے میں بہت سارے لوگوں کا خیال ہوگا کہ وہ پاکستان کے بغیر مسئلہ کشمیر کا حل ناپائیدار سمجھ کر پاکستانی حکمرانوں کو منانے کے لیے وہاں گئے تاکہ کشمیر کا تنازعہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو سکے۔

لیکن یہ بات درست نہیں، شیخ عبداللہ پاکستان کو مسئلہ کشمیر کا فریق ماننے کے لیے اب بھی تیار نہیں تھے۔ جبکہ زبان سے وہ اس کا برملا اظہار کر رہے تھے۔

دہرہ دون کی واپسی پر جب پنڈت جواہر لال نہرو سے جن سنگھ کے صدر نے پوچھا:

"آپ نے مسئلہ کشمیر کو زندہ کر کے شیخ عبداللہ کو کیوں پاکستان بھیج دیا تو پنڈت نہرو نے ان سے صاف صاف کہدیا، مسئلہ کشمیر طے شدہ ہے اور شیخ عبداللہ وہاں جا کر اسی دائرے کے اندر بات چیت کریں گے۔"

شیخ محمد عبداللہ کا مشن بس اس بات تک محدود تھا کہ پاکستان اور ہندوستان پرانی تلخیوں کو بھول کر ایک دوسرے کے نزدیک آئیں، لیکن ان دونوں کو ایک دوسرے کے نزدیک لانے کا ان کے پاس کوئی معقول فارمولہ ہی نہ تھا۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر بات یہی ہے تو پھر وہ پاکستان کیا کرنے گئے تھے؟

جہاں تک میں سمجھتا ہوں شیخ صاحب جیل سے چھوٹ کر گھر آئے تو ان کے سامنے دولت کے اُس انبار کی تفصیل رکھدی گئی جو دولت ۹ اگست ۱۹۵۳ء کے آپریشن کے بعد سے اب تک محاذ رائے شماری کے نام پاکستان سے لاکر ان کے گھر پہنچا دی گئی تھی۔

پاکستان نے اس دولت کی تفصیل کروڑوں روپے میں بتائی ہے اور اتنی ساری دولت کو دیکھ کر دولت بھیجنے والے کا شکریہ ادا نہ کرنا یقیناً کم ظرفی کے مترادف ہو سکتا تھا۔ لہٰذا اس ساری دولت کے عوض میں پاکستان جا کر انھیں ہندوستان کے ساتھ صلح صفائی کرنے کی دعوت دینا ایک طرح سے قرض اُتارنے کے برابر تھا۔ لہٰذا شیخ صاحب یہ قرض اُتارنے گیا جو یقیناً ان کے لیے ایک فرض بنتا تھا۔

چونکہ کشمیری عوام کی طرح پاکستان میں مقیم کشمیری مہاجرین اور ان کے لیڈر اصلی حالات سے بے خبر تھے اس لیے جس طرح یہاں شیخ عبداللہ کو وفد کے ساتھ بڑی گرم جوشی سے رخصت کیا گیا اس سے بڑھ کر پاکستان میں ان کی آمد پر ان کا خیر مقدم کیا گیا۔ اور جگہ جگہ ان کا سواگت کیا گیا۔

کشمیر کے لیڈروں میں سے خاص طور پر چوہدری غلام عباس خان اور مولوی محمد یوسف شاہ نے ان کو گلے لگایا۔ چوہدری عباس نے ان کا خیر مقدم کرتے ہوئے جب انہیں مخاطب ہو کر فرمایا:

"ہمیں خوشی ہے کہ شیخ محمد عبداللہ دیر کے بعد ہی سہی دو قومی نظریے کے قایل ہو گئے ہیں۔"

تو شیخ صاحب نے فوراً اس کی تردید کر کے حاضرین کو مایوس کر دیا۔

چوہدری عباس خاں اور دوسرے کشمیری لیڈروں کو شیخ عبداللہ کی طرف سے کورا جواب مل گیا تو وہ ان کے مشن کے بارے میں مایوس ہو گئے۔

شیخ عبداللہ نے صدر ایوب خان کے ساتھ ملاقات کے دوران کنفیڈریشن کا ذکر چھیڑا تو حسبِ توقع جنرل ایوب خاں نے اس تجویز کو مسترد کر دیا۔ شیخ صاحب نے بھارت کے ساتھ صلح صفائی کرنے اور دونوں ملکوں کو ایک دوسرے کے قریب آنے کا مشورہ دیا تو صدر ایوب خان نے جواب دیا۔

"مسئلہ کشمیر ایک بڑی رکاوٹ ہے۔ اگر یہ رکاوٹ دور ہوتی ہے تو ہم ضرور ایک دوسرے کے قریب آسکتے ہیں اس کے لیے اگر مجھے خود دہلی جانا پڑے تو میں ضرور جاؤں گا تاکہ پنڈت نہرو کے ساتھ افہام وتفہیم ہو سکے۔"

چونکہ شیخ عبداللہ کے کھاتے میں "مسئلہ کشمیر" تھا ہی نہیں اس لیے بات آئی اور گئی۔

قیام پاکستان کے دوران جہاں کہیں بھی شیخ عبداللہ نے تقریر کی، انٹرویو دیا یا اخباری بیان دیا اس میں انھوں نے ہندوستان اور پاکستان کو نزدیک آنے کا مشورہ ضرور دیا لیکن پاکستان اور ہندوستان کے درمیان دوری کی جو بنیاد تھی اس کے بارے میں انھوں نے ہر جگہ ٹال مٹول سے کام لیا اس کے بجائے انھوں جو کچھ بھی کہا اس کا لب لباب یہ تھا:۔

"تجربے نے پاکستانیوں کو یہ بات سکھا دی ہوگی اور انہیں اس بات کا اندازہ ہوا ہوگا کہ اُن کے لیے مناسب یہی ہے کہ کشمیر کے حل کے لیے وہ کسی بیرونی ملک پر تکیہ کرنے کے بجائے اپنی نگاہیں صرف ہندوستان کی طرف ہی اُٹھائیں ان کا مفاد اس تدبیر میں پوشیدہ ہے اس سے پہلے پاکستان امریکہ اور برطانیہ پر بھروسہ کرنے کا خمیازہ بھگت چکا ہے، اب چین کو اپنا مشکل کشا ماننا غلطیوں کو دہرانے کے مترادف ہوگا، بین الاقوامی سیاسیات میں دوستی کی بنیاد مشترکہ مفادات ہوتے ہیں، وہ ختم ہو گئے تو دوستی بھی ختم ہو جاتی ہے۔ اس کے برعکس ہندوستان

اور پاکستان کے مفادات مشترکہ ہیں۔"

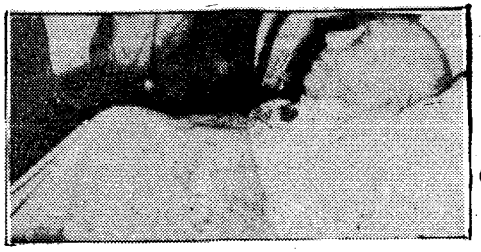
شیخ عبداللہ نے مسئلہ کشمیر کے بارے میں امریکہ برطانیہ اور دوسرے ممالک کے ساتھ چین کا نظریہ بھی مسترد کیا اور پاکستان کو مشورہ دیا کہ وہ ان ممالک پر تکیہ کرنے کے بجائے ہندوستان کی قربت حاصل کرنے کی کوشش کر کے ہندوستان میں ہی اپنی عافیت سمجھے۔

بظاہر یہ ایک معقول دلیل نظر آتی ہے مگر اس میں سچائی اور خلوص کا فقدان ہے اوّل یہ کہ ہندوستان "مسئلہ کشمیر" کو طے شدہ مانتا ہے، وہ اس سلسلے میں پاکستان کو فریق ہی تسلیم نہیں کرتا۔ ہندوستان کے اس قسم کے کٹر رویّے کا توڑ کرنے کے لیے انھوں نے ضرور دوسرے ممالک کی طرف دیکھا اور ان کی مدد طلب کی۔

ان حالات میں خود پاکستان کو نصیحت کرنے والے شیخ عبداللہ نے بھی یہی کیا ہے جو پاکستان کر چکا تھا۔ پاکستان کے اس دورے کے بعد جب انھوں نے بیرونی ممالک کا سفر کیا تو انہی بیرونی ممالک کی امداد حاصل کرنے کی پاداش میں انہیں جلاوطنی کا شکار ہونا پڑا۔

خود کو فضیحت اور دوسروں کو نصیحت کے مصداق شیخ عبداللہ کا یہ بیان بھی کسی کے حلق سے نیچے نہیں اتر سکا، شیخ عبداللہ نے پاکستانی حکمرانوں کے ساتھ بات چیت کے دوران یہ تاثر ضرور دیا کہ وہ مسئلہ کشمیر پر بات چیت کرنے سے زیادہ اس بات پر زور دے رہے ہیں کہ پاکستان چین کے دائرے سے باہر نکل کر ہندوستان کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھائے — دوستی کا ہاتھ بڑھانے کے لیے چونکہ وہ بنیادی مسئلہ کو پس پشت ڈال رہے تھے، لہٰذا یہ بیل منڈھے نہیں چڑھ سکی۔

پاکستان کے دورے کے اگلے پڑاؤ کے طور پر شیخ عبداللہ وفد کے ہمراہ مظفرآباد کے لیے روانہ ہو گئے۔ راستے میں جب انھیں پنڈت نہرو کے انتقال کی خبر سنائی گئی تو وہ سکتہ میں آگئے اور ان کا مشن جو بظاہر دونوں ملکوں کو ایک دوسرے کے قریب لانے کا تھا



پنڈت نہرو کے ساتھ فوت ہو گیا۔

مظفر آباد پہنچ کر لوگوں کے ایک اجتماع میں انھیں پنڈت نہرو کے تئیں خراجِ عقیدت ادا کرنے پر ہی اکتفا کرنا پڑا، کیونکہ ایسے موقع پر اور کچھ کہنا سننا مناسب بھی نہیں تھا۔

مظفر آباد سے رخصت ہوتے وقت وہاں کی محاذ رائے شماری اور کشمیر لبریشن فرنٹ کی طرف سے کشمیر کے رہنما کو ایک ایک لاکھ کے دو چیک پیش کیے گئے محاذ رائے شماری کی طرف سے چک کے ایچ خورشید اور لبریشن فرنٹ کی طرف سے محمد مقبول بٹ نے پیش کیے۔

مظفر آباد سے شیخ صاحب وفد کے ہمراہ اسلام آباد آ گئے اور پنڈت نہرو کی وفات سے پیدا شدہ صورت حال کے بارے میں صدر ایوب خاں کے ساتھ مختصر گفتگو کی۔

چونکہ شیخ عبداللہ اپنا (نا پائیدار) مشن ادھورا چھوڑ کر واپس دہلی جا رہے تھے اس لیے صدر ایوب خان نے تعزیت پرسی کے لیے پاکستان کا ایک ڈیلی گیشن شیخ صاحب کے ہمراہ دہلی روانہ کیا اس ڈیلی گیشن کی قیادت وزیر خارجہ ذوالفقار علی بھٹو کر رہے تھے۔

پاکستان میں دوران قیام ذوالفقار علی بھٹو نے شیخ فاروق کا ذہن ایک خاص نکتہ پر مرکوز کیا۔ یہ دوسری بات ہے کہ بعد میں وہ اقتدار کے لیے اپنے باپ کے نقشِ قدم پر ہی چلے۔



(لال بہادر شاستری)

کشمیری وفد کے ساتھ پاکستانی وفد دہلی آیا تو انھوں نے دیکھا پنڈت نہرو کی موت نے سارے ہندوستان کو غمزدہ کر دیا تھا۔

ہندوستان کی تاریخ کا ایک اہم دور ختم ہو چکا۔ پنڈت نہرو کو سپرد آگ کیا گیا تو شیخ عبداللہ نے ہندوستان کے جواہر اور کشمیر کے لال کی اپنے حصہ کی استھیاں سرینگر لائیں۔ ان استھیوں کو دریائے سندھ اور دریائے جہلم کے سنگم میں بہا دیا گیا، مرحوم کی یاد میں پرتاپ پارک میں ایک ماتمی جلسے کا انعقاد کیا گیا۔

جواہر لال نہرو کی موت کے فوراً بعد گلزاری لال نندہ کو سینئر وزیر کی حیثیت میں قائمقام وزیر اعظم مقرر کیا گیا۔ لیکن بعد میں کامراج نادار کی مدد سے لال بہادر شاستری کو وزارتِ عظمیٰ کا عہدہ سونپ دیا گیا۔

لال بہادر شاستری ایک نرم دل، شریف النفس اور اعتدال پسند مدبر تھے انھوں نے وزیر اعظم بننے کے بعد جواہر لال نہرو کے نقشِ قدم پر چلنے کا اعادہ کیا۔

حالات آہستہ آہستہ نارمل ہو گئے تو شیخ عبداللہ لال بہادر شاستری سے ملنے دہلی گئے اور ان سے ادھورا کام پورا کرنے کا تعاون مانگا۔ شاستری جی نے شیخ صاحب کو تعاون کا یقین دلایا، البتہ گلزاری لال نندہ نے شاستری جی کو اس مسئلے کو کچھ مدت تک ملتوی رکھنے کا مشورہ دیا جو انھوں نے قبول کر لیا۔ اس طرح (نا پائیدار) مسئلہ لٹک گیا۔



وزیر اعلیٰ خواجہ غلام محمد صادق

نفرتوں کی آندھیاں پہلے بھی چلتی تھیں مگر
پیار کے اشجار بے برگ و ثمر ایسے نہ تھے

غلام محمّد صادق کا دورِ حکمرانی
بخشی غلام محمّد کی گرفتاری

خواجہ غلام محمد صادق نے ۲۸ فروری ۱۹۶۴ء کو ریاست جموں و کشمیر کی وزارتِ عظمیٰ کا عہدہ سنبھالا، اس وقت نہ صرف ریاستی بلکہ ملکی حالات دگرگوں تھے۔ انتشار، بدامنی اور طوائف الملوکی کا دور دورہ تھا۔ ریاست کے اندر اور باہر موئے مقدّس صلعم کی تحریک سے ایسی الجھنیں پیدا ہوگئی تھیں جنہوں نے ریاست کے سارے سیاسی اور انتظامی ڈھانچے کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ وقت اور حالات کا یہ سب سے بڑا چیلنج تھا، اور یہ تقاضا پیدا ہوگیا تھا کہ ریاست کے سماجی، سیاسی اقتصادی اور انتظامی استحکام کے لیے حکومت کی قیادت ایک ایسی شخصیت کے ہاتھ میں دی جائے جو بے لاگ ہو اور تدبّر و شائستگی کے ساتھ ان مشکلات سے ریاستی عوام کو نکال سکے۔

صادق صاحب کی شخصیت کشمیر کی سیاسیات میں اُن تہوں سے جُدا، خلوص، شائستگی کی انہی شریف تہذیبی اور انسانی قدروں کا مکمل آدرش پیش کرتی ہے جس کے سارے معاشرے میں کافی فقدان ہے۔

غلام محمد صادق اپنی اصول پروری، ثابت قدمی اور دیانتداری کے لیے مثالی شخصیت کے مالک تھے، ان کی زندگی میں کوئی تصنع اور بناوٹ نہیں، ان کا ظاہر اور باطن ایک اور ان کے مزاج و طبیعت میں فطری تمکنت اور خودداری کے ساتھ جمہوری احساسات اور عقلیت پسندی کا ایک ایسا امتیاز موجود تھا جو انھیں کشمیری عوام کے دوسرے رہنماؤں سے الگ کر دیتا ہے۔

آپ بازاری قسم کی تقریروں، سیاسی شعبدہ بازی اور چھچھورے پن کو پسند نہیں کرتے ان کی تقریروں میں خطابت کا وہ زور نہیں جو جذبات کو کچھ وقت کے لیے گرما دے۔ صادق صاحب نجی زندگی میں کم آمیز کم گو تھے، آپ سنتے زیادہ اور بولتے کم تھے۔ آپ کی پسند میں یہ بالکل شامل نہ تھا کہ سیاسی یا اصولی اختلاف رکھنے کی پاداش میں کسی انسان کو اس کے بنیادی انسانی حقوق سے محروم کر دیا جائے۔

یہی وجہ ہے کہ انھوں نے وزارتِ عظمیٰ کا عہدہ سنبھالتے ہی فرمایا۔

"میری حکومت تمام شہریوں کے بنیادی حقوق اور آزادیوں کو یقینی بنانے کی پوری پوری ضمانت دے گی اور اقتصادی تعمیری اور سماجی ترقی کے میدان میں کسی امتیاز اور کسی روک ٹوک کے بغیر ہر ایک فرد کے لیے آگے بڑھنے کے راستے کھول دے گی۔"

صادق صاحب نے شہری آزادی بحال کر دی، جلسوں اور جلوسوں پر پابندیاں ہٹا دیں، مختلف سیاسی جماعتوں کے تمام نظر بند رہا کر دیئے، کشمیر سازش کیس، حضرت بل کیس اور بم کیس واپس لیے گئے۔

شیخ محمد عبداللہ اور مرزا افضل بیگ کے ساتھ دوسرے سیاسی لیڈروں اور ورکروں کو بھی رہا کر دیا، اخبارات کی اشاعت پر پابندیاں ختم کر دیں۔

آپ کے دورِ حکومت میں لوگوں کو یہ محسوس ہوا کہ ان کے سر سے ایک بھاری بوجھ اُتر گیا۔ وہ خوف جو انھیں کچلا جا رہا تھا، بہت حد تک دور ہو گیا۔

آپ نے سب سے پہلے کشمیر میں فوجداری کا ترمیمی ضابطہ لاگو کر دیا۔ سماج کے ہر طبقے اور ہر شعبے کی طرف سے اس کا خیر مقدم کیا گیا۔ کیونکہ فلاحی ریاست قائم کرنے کے آدرش کی جانب یہ ایک مستحسن اقدام تھا۔

خواجہ غلام محمد صادق غالباً ۱۲ مئی ۱۹۱۲ء میں بٹہ مالنہ سرینگر میں ایک آسودہ حال اور روشن خیال "وانی" گھرانے میں پیدا ہوئے، ان کے بزرگ تاجر پیشہ تھے۔ اور اپنی ثروت کے لیے کافی مشہور تھے، ان کے والد بزرگوار حاجی عبدالغفار وانی اپنے دو بھائیوں خواجہ احمد اللہ اور خواجہ عبدالصمد سے کئی سال بڑے تھے، ان کا شال و پشمینہ کا کاروبار تھا۔ کلکتہ شہر میں ایک بڑی عالیشان دُکان تھی جو کشمیری مصنوعات اور دستکاریوں

کے لیے آرٹس ایمپوریم کا درجہ رکھتی تھی۔

صادق صاحب کا گھرانہ پیری فقیری اور آستاں پرستی سے بہت دور تھا اس معاملے میں ان کے کنبے کے افراد "اہلحدیث" مانے جاتے تھے۔

کلکتہ قیام کے ایام میں خواجہ احمد اللہ اور خواجہ عبدالغفار کو ہندوستان میں اُبھرتی ہوئی قومی تحریک کے تیور دیکھ کر بار بار کشمیر کی مسلمان اکثریت کی معاشی اور سماجی بدحالی کچوکے دے رہی تھی۔ وہ چاہتے تھے کہ کشمیر میں بھی لوگ اسی طرح اپنے حق کے لیے لڑنا سیکھیں۔ منظم ہونا سیکھیں اور ڈوگرہ رجواڑشاہی کے اثر و اقتدار کی شخصیتوں کے خلاف اپنے مفادات کی حفاظت کے لیے کمربستہ ہو جائیں۔

یہ دونوں کلکتہ سے واپس آئے تو خواجہ احمد اللہ نے سیاسیات کشمیر میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینا شروع کر دیا تھا۔ خواجہ احمد اللہ قرہ کے فرزندوں میں سے بڑے فرزند غلام محی الدین قرہ اُن دِنوں چھوٹے تھے، البتہ اپنے بھائیوں کے مقابلے میں عقل اور ہمت میں تیز تھے۔

ان ایام میں کشمیر کی سیاست میں مولوی قسم کے لوگ حاوی تھے اور لوگ رہنمائی کے لیے ان کی جانب زیادہ سے زیادہ اُمیدیں وابستہ کیے ہوئے تھے۔

صادق صاحب نے اپنی کاوشوں اور کوششوں سے جو چند ہم جماعت اور ہم خیال نوجوان متحرک کیے ان سبھوں نے ۱۹۲۹ء میں پہلا اسٹوڈنٹس مظاہرہ منظم کیا اس میں جہاں صادق صاحب نے انقلابی جوش و عمل کا ثبوت دیا وہاں محی الدین قرہ نے دیدہ دلیری اور پھرتی کا بھرپور مظاہرہ کیا۔

صادق صاحب اور محی الدین صاحب کو عوام کی غیر متزلزل قوت اور غیر مفتوح طاقت پر اس قدر اعتماد بڑھ گیا کہ انھوں نے اپنے ہموطنوں کے ساتھ قربانی دینے اور مصیبتیں جھیل لینے کا عہد کیا۔ اس طرح اُنھوں نے کشمیر کی سیاست میں اپنے آپ کو تن من دھن کے ساتھ وابستہ کر لیا۔

شیخ محمد عبداللہ ان پر بھروسہ اور اعتماد کیا کرتے تھے، ریاست کی تحریکِ حریت میں کوئی بھی سیاسی واقعہ رونما ہوتا صادق صاحب کو اس کی قیادت سونپ دی جاتی ریاست میں جب پہلی قانون ساز اسمبلی بنائی گئی تو اس کے سربراہ صادق

صاحب بنائے گئے۔ ۹ اگست ۱۹۵۳ء کے آپریشن سے قبل اگر صادق صاحب نے وزارتِ عُظمیٰ کا عہدہ قبول کر لیا ہوتا تو بخشی غلام محمد ان کے نائب ہوتے۔

خواجہ غلام محمد صادق شیخ محمد عبداللہ اور بخشی غلام محمد کے مقابلے میں بالکل بے لاگ تھے۔ ان پر کسی قسم کی دھاندلی، کرپشن اور کنبہ پروری کا کوئی الزام نہیں لگ سکا۔ صادق صاحب کی ایمانداری کا یہ عالم تھا کہ ان کی موت کرایہ کی کوٹھی میں ہوئی جبکہ ان کے پیشروؤں نے بے شمار جائیداد بنائی اور وہ بھی صریحاً ناجائز طریقے سے۔

صادق صاحب کا حکومت کرنے کا طریقہ بالکل مختلف تھا وہ زور و جبر اور قید و بند کے خلاف تھے ان کا نظریہ یہ تھا کہ مخالف کو طاقت کے بجائے کردار اور گفتار سے قائل کیا جائے، وہ سیاست دانوں کے ساتھ زور زبردستی کے بجائے سیاسی طور پر نمٹ لینے میں یقین رکھتے تھے۔

اس میں کوئی شک نہیں اگر اگست ۱۹۵۳ء کے واقعہ کے دوران غلام محمد صادق بخشی غلام محمد کی جگہ وزارتِ عظمیٰ پر براجمان ہوئے ہوتے تو ریاست میں کرپشن، لوٹ کھسوٹ اور کنبہ پروری کا ہرگز اتنا بول بالا نہیں ہوتا، نہ ہی اتنا خون خرابہ ہوا ہوتا اور نہ ہی شیخ عبداللہ اور ان کے دیگر ساتھیوں کو برسوں تک قید و بند میں رہنا پڑتا۔

تحریک موئے مقدسؐ کے ساتھ غلام محمد صادق کو وزارتِ عظمیٰ سونپ کر مرکزی حکمرانوں نے ایک طرف بخشی غلام محمد کا زور ختم کر دیا اور دوسری طرف صادق وزارت پر ایسا خوف طاری کر دیا کہ وہ اپنی وزارت کو ناپائیدار جاننے لگے۔ اپنی ناپائیدار وزارت کو پائیدار بنانے کے لیے مرکز کے حکمرانوں نے صادق صاحب سے جو قیمت مانگی یہ قیمت دینے کے لیے وہ تیار ہو گئے۔ اس طرح ان کے اصول پر اقتدار غالب آ گیا۔

پہلے مرحلے پر ریاست میں انہوں نے کانگریس کی بنیاد ڈالی اور اس کے بعد مرکزی سرکار نے ان کے ہاتھ میں ایک کلہاڑا دیا جس سے وہ ریاست کی خصوصی پوزیشن دفعہ ۳۷۰ کی جڑیں کاٹنے لگے، صادق صاحب نے اقتدار کے لیے کلہاڑا ہاتھ میں لیکر پہلے اپنے ضمیر کو کاٹ کر رکھ دیا اور پھر ریاست کی خصوصی پوزیشن کو کاٹ کر اپنی اس وزارت کو پائیدار بنانے لگا جو وزارت موت نے ان سے چھین لی۔

صادق صاحب نے صدر ریاست اور وزیر اعظم کا عہدہ گورنر اور وزیر اعلیٰ

میں تبدیل کر کے کشمیر کی خصوصی پوزیشن کو کھوکھلا بنا دیا اور اس کے ساتھ انھوں نے اپنی عاقبت بھی خراب کر دی۔ صادق صاحب کی اس حرکت سے شہ پا کر ایک کٹر پاکستانی اور مسلم لیگی محمد شفیع قریشی نے وادی میں پہلی بار کانگریس کا پرچم اٹھا کر پاکستان کے ساتھ مسلم لیگ کے خلاف آواز بلند کی، محمد شفیع قریشی نے وادی کشمیر میں باضابطہ طور پر کانگریس کی ایک شاخ قائم کر کے اپنے لیے مرکز میں ایک پوزیشن بنوائی، اسی پوزیشن نے انہیں مرکز میں ایک عہدہ تفویض کرایا۔



(محمد شفیع قریشی)

غلام محمد صادق نے اپنے دورِ حکمرانی میں بخشی غلام محمد کی بدعنوانیوں، کرپشن لوٹ کھسوٹ اور کنبہ پروری پر تحقیقات کے لیے ایک کمیشن کی تقرری کا اعلان کیا، سپریم کورٹ کے ایک سابق جسٹس آئینگر پر مشتمل ایک تحقیقاتی کمیشن نے بخشی غلام محمد کو شدید بدعنوانیوں کا مرتکب قرار دیا۔

پنڈت جواہر لال نہرو کی وفات سے بخشی غلام محمد ایک بڑی رکاوٹ کو دور ہوتے دیکھ کر اقتدار پر دوبارہ قابض ہونے کے لیے پَر تولنے لگے۔ انھوں نے دوڑ دھوپ شروع کی اور ممبران اسمبلی کو اپنے دائرے میں لانے کے لیے پھنسانا شروع کیا۔

اپنی طرف سے تمام تیاریاں مکمل کر کے اسمبلی اجلاس کے موقع پر صادق صاحب پر عدم اعتماد کرنے کا فیصلہ صادق وزارت گرانے کے مترادف تھا، صادق صاحب کو اس کا پتہ چلا تو ان کے پاؤں تلے کی زمین نکل گئی اور وزارت کی عمارت زمین بوس ہونے لگی اگلے روز بخشی غلام محمد کی تمام کارروائیوں پر پانی پھیر کر انہیں گرفتار کر لیا گیا۔ بخشی غلام محمد کو گرفتار کر کے جموں کے اسی تاریخی اس میں محبوس کیا گیا جس میں انھوں نے پہلے مرحلے پر شیخ عبداللہ کو قیدی بنا دیا تھا۔

اگست ۱۹۵۳ء میں بخشی غلام محمد بھارت سرکار کے آلہ کار بن گئے تو انھوں نے نہ صرف کشمیر کی آزادی کی شدید الفاظ میں مخالفت کی بلکہ رائے شماری کا نام لینے والوں کو کچلنے میں

کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔ ان کارناموں کے طفیل بخشی غلام محمد بھارتی حکمرانوں کی نظروں میں ایک ہیرو بن گئے۔ انہیں جمہوریت کا علمبردار، سیکولرازم کا دیوتا اور سوشلزم کا چمکتا ستارہ بھی کہا گیا۔ ہندوستان کے چپے چپے پر ان کی شان میں قصیدے پڑھے جانے لگے۔

بخشی غلام محمد کشمیریوں کو زیر کرنے کے صلے میں بھارتی رہنماؤں کی آنکھ کا تارا بن گئے، وہ ہندوستان کے قابلِ فخر دوست کہلانے لگے، دنیا میں ایسی کوئی خوبی نہ تھی جو ہندوستانیوں کو ان میں نظر نہیں آتی تھی۔ لیکن جونہی کامراج پلان کے تحت انہیں وزارت سے علیحدہ ہونا پڑا ان پر فرقہ پرستی کا لیبل لگا۔ ان کے تئیں مرکزی سرکار کے ساتھ ساتھ ہندوستان کی اپوزیشن پارٹیوں کے تیور بدلنے لگے۔ اُن پر امنِ عامّہ خراب کرنے کا بھی الزام لگ گیا، ان کے خلاف لوٹ کھسوٹ، رشوت خوری اور کنبہ پروری کے چرچے ہونے لگے۔ یہ سلسلہ پنڈت جواہر لال نہرو کی وفات تک جاری رہا۔ اگرچہ یہ چرچے کبھی سرد رہے اور کبھی گرم ہوئے، لیکن صادق وزارت گرانے کی پاداش میں ان پر نہ صرف افراتفری پھیلانے کا الزام لگ گیا بلکہ شیخ عبداللہ کے ساتھ سازش کر کے تخریب کاری کا بھی الزام ان پر لگایا گیا۔ کل کا محسن آج کا دشمن بن گیا۔

غلام محمد صادق نے اپنی حکومت کو بچانے کے لیے لال بہادر شاستری کے اشارے پر بخشی غلام محمد کو گڑبڑ پھیلانے کے الزام میں گرفتار کروالیا اور جیل میں ٹھونس دیا بخشی صاحب کی گرفتاری پر وزیرِ اعظم لال بہادر شاستری نے بیان دیا کہ یہ معاملہ مرکزی سرکار کے بجائے ریاستی سرکار کے نظم و نسق کے ساتھ تعلق رکھتا ہے، بھارت سرکار کا اس کے ساتھ کوئی تعلق نہیں حالانکہ بخشی صاحب کی گرفتاری مرکزی سرکار کے ساتھ صلاح مشورہ کے بعد ہی عمل میں لائی گئی تھی۔


Bakshi Ghulam Mohd

بخشی غلام محمد گرفتاری کے سلسلے میں ریاستی سرکار کے ترجمان نے جو بیان جاری کیا اس میں صاف طور پر تسلیم کیا گیا بخشی کی گرفتاری مرکزی سرکار کی مرضی اور منشاء کے مطابق عمل میں لائی گئی ہے۔

پارلیمنٹ میں وزیرِ داخلہ گلزاری لال نندہ اور وزیرِ امورِ خارجہ

مسٹر مینن نے اس حقیقت کو تسلیم کر لیا کہ بخشی غلام محمد ایسی سرگرمیوں میں ملوّث تھے جن کی وجہ سے کشمیر کے نظم و نسق کو شدید نقصان پہنچنے کا احتمال تھا۔ ان کی سرگرمیوں کی وجہ سے کشمیر میں گڑبڑ اور بے چینی پھیل جانے کا خطرہ لاحق تھا۔

بخشی غلام محمد نے ممبران اسمبلی سے مل کر ایسی سازش تیار کی تھی کہ جس کا مقصد جی ایم صادق کے خلاف اسمبلی میں عدم اعتماد کی تحریک پیش کر کے اسے اکثریت سے محروم کرانا مطلوب تھا اگر وہ اپنے اس مقصد میں کامیاب ہو جاتے تو نہ صرف وہ صادق وزارت کو گراتے بلکہ وہ بھارت کے ساتھ الحاق کا فتنہ بھی کھڑا کرتے۔ بخشی غلام محمد کے بارے میں خفیہ طور پر پتہ چل گیا تھا کہ وہ شیخ عبداللہ کے ساتھ مل کر ایک ایسی صورت حال پیدا کرتے کہ اس کو سنبھالنا بھارت کے لیے انتہائی مشکل ہو جاتا۔

بخشی غلام محمد کشمیر کی سیاست میں واقعی ایک عجیب اور دل چسپ عنصر تھے وہ نہایت ہی زیرک ذہین اور معاملہ فہم انسان تھے۔ لیکن انہیں گرفتار کر کے جس روپ میں پیش کیا گیا وہ بالکل مختلف تھا۔

اقتدار کے لالچ میں انھوں نے شیخ عبداللہ کو وزارت سے برطرف اور گرفتار کرانے میں ایک اہم رول ادا کیا، وقت نے ایسا ہی فیصلہ ان کے حق میں بھی دیا۔ شیخ عبداللہ بخشی غلام محمد کے ہاتھوں اقتدار سے محروم ہو کر گرفتار ہوئے، صادق صاحب کے ہاتھوں بخشی غلام محمد اقتدار کھونے کے ساتھ نظر بند کیے گئے۔

صادق صاحب کشمیر کی خصوصی پوزیشن کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کرنے سے مُنکر ہو گئے ہوتے تو وہ بھی بھارتی حکمرانوں کی نظر میں فتنہ پرور سازشی عنصر اور نہ جانے کیا کیا بن کر وزارت سے محروم ہو کر نہ جانے کن کے ہاتھوں گرفتار ہوتے۔

اقتدار سے محروم ہونے اور پھر گرفتار ہونے کے بعد جب بخشی صاحب کو قیدِ تنہائی میں اپنے ماضی کو ٹٹولنے کا موقع ملا۔ تو انھوں نے محسوس کیا بھارت کا آلہ کار بن کر انھوں نے بہت بڑی غلطی کی لیکن شیخ عبداللہ کی برطرفی اور نظر بندی کا انہیں کوئی افسوس نہیں تھا۔

اگر بخشی غلام محمد کو دوبارہ وزارت میں آنے کا موقع مل جاتا تو وہ اپنے ساتھ کیے گئے سلوک کا ضرور بدلہ لے لیتے، بدلہ لینے کا ان کے پاس ایک پلان تھا اس کا

ذکر انھوں نے اپنی ڈائری میں یوں کیا ہے :۔

" صادق صاحب پر عدم اعتماد کرنے کے بعد مجھے اسمبلی میں دو تہائی کی اکثریت مل جاتی تو سب سے پہلے بھارت کے ساتھ ریاست کے الحاق کو منسوخ کر دیتا، اس کے بعد میں وزارت سے محروم ہو کر گرفتار بھی ہو جاتا تو مجھے کوئی افسوس نہیں رہتا، بھارت کا جو بھی حاکم ہو انھیں اول اور آخر اپنے مفادات عزیز ہیں اپنے مفادات کی رکھوالی میں وہ ریاست کے حاکمِ اعلیٰ کو آج اگر عرش پر چڑھائے گا تو کل کو پھانسی پر بھی چڑھا سکتا ہے، ان سے بڑھ کر دنیا میں اور کوئی طوطا چشم نہیں ہے ان پر بھروسہ کرنا بہت بڑی غلطی ہے۔"

اقتدار کھو جانے کے بعد بخشی صاحب بھی کم از کم وہی بولی بولنے لگے۔ جو شیخ عبداللہ برسوں تک بولا کرتے تھے اقتدار کے نشے میں یہ لوگ اپنے ماضی کے ساتھ مستقبل کو بھی بھول جاتے ہیں۔



بخشی صاحب کی گرفتاری پر وزیر خارجہ پاکستان ذوالفقار علی بھٹو نے جو بیان جاری کیا حسب ذیل ہے۔

" غلام محمد صادق اور ان کے حواریوں کو مقبوضہ کشمیر میں نو آبادیاتی حکمرانی کی بہیمانہ تاریخ سے سبق حاصل کرنا چاہیئے۔

بخشی کی گرفتاری سے مجھے تعجب نہیں ہوا ہے۔ نو آبادیاتی حکمرانی میں ایسا ہی ہوتا ہے۔ افراد کسی مقصد کے لیے چنے جاتے ہیں۔ جب مقصد پورا ہو جاتا ہے تو انھیں ختم کر دیا جاتا ہے اور اُن کی جگہ دوسرے افراد منتخب کر لیے جاتے ہیں وہ دن دور نہیں جب غلام محمد صادق اور ان کے حواریوں کا بھی یہی حشر ہوگا جو اس کے پیشروؤں کا ہوا۔"

تین مہینے تک قید میں رہنے کے بعد جب بخشی غلام محمد کو دل کا دورہ پڑا تو انہیں رہا گیا۔ رہائی کے بعد جب وہ سرینگر آئے تو وہ ٹوٹ سے گئے تھے، سیاست کے

ساتھ ساتھ وہ زندگی سے بھی بیزار نظر آتے تھے۔

صادق صاحب نے ان کا پلان فیل کر کے گویا انہیں سیاست کے امتحان سے بھی فیل کر کے رکھدیا، اگر ان پر آئینگر کمیشن کی تلوار نہیں لٹکی ہوتی تو شاید وہ مختلف ہوتے ریاستی سرکار کے لیے بھی اور مرکزی سرکار کے لیے بھی۔



وزیراعلیٰ خواجہ غلام محمد صادق
جموں میں عوامی اجتماع سے خطاب فرما رہے ہیں

باب ۳

ریاستی کانگریس کے ساتھ ترکِ موالات

پاک و ہند کے درمیان جنگ کے شعلے

تاشقند معاہدہ

اور سیاسی کنونشن

نہ تڑپنے کی اجازت ہے نہ فریاد کی ہے
گھٹ کے مر جاؤں یہ مرضی میرے صیاد کی ہے

جز :-

	صفحہ
۱۔ شیخ عبداللہ کا ریاستی کانگریسیوں کے ساتھ ترکِ موالات اور جلاوطنی کے کوائف	۱۸۷
۲۔ وادیٔ کشمیر میں مجاہدین کی آمد مقامی لیڈروں کا رول	۲۰۱
۳۔ مسئلہ کشمیر حل کرنے کے لیے روس کی مداخلت تاشقند معاہدہ	۲۱۱
۴۔ محاذ رائے شماری کا سیاسی کنونشن	۲۱۸
۵۔ سرینگر میں ہندو ایکشن کمیٹی کی تحریک	۲۲۹
۶۔ محاذ رائے شماری اور عوامی ایکشن کمیٹی کا سیاسی موقف	۲۳۷
۷۔ اسٹیٹ پیوپلز کنونشن کا انعقاد محاذ رائے شماری کے توڑنے کی شروعات	۲۴۹
۸۔ پاکستان کو توڑنے کی کاروائی "بنگلہ دیش" کے قیام کا آغاز	۲۶۷

زندگی کرنا جہاں میں اب بھی ہے کرب و بلا
جسم کے نیزے پہ رکھا ہم نے سر کچھ اس طرح

شیخ عبداللہ کا ریاستی کانگریسیوں کے ساتھ ترکِ موالات اور جلاوطنی کے کوائف

پنڈت جواہر لال نہرو کی موت کے بعد جب مرکزی سرکار نے شیخ محمد عبداللہ کو ناقابلِ اعتبار سمجھ کر ان کے تئیں بے رخی اختیار کر لی تو جوابی کاروائی کے طور پر انھوں نے ۸ر جنوری ۱۹۶۵ء کو مقامی کانگریسیوں کے ساتھ ترک موالات کرنے کا اعلان کیا۔ شیخ عبداللہ اور مرزا افضل بیگ نے اپنے ایک مشترکہ بیان میں فرمایا۔

"کشمیر کے لیے حق خود ارادیت کی تائید اُس وقت کے حکمراں جو کانگریس کے ساتھ وابستہ تھے آج وہ کانگریس نہیں رہی، جو انڈین نیشنل کانگریس آج کشمیر میں آکر عوام کو یہ کہے کہ تمہارا حق خود ارادیت کوئی حقیقت نہیں رکھتا اور چند افراد نے تمہارے حقوق کا جو سودا کیا ہے وہ تم کو قبول کرنا ہوگا ہم اسے کیسے پرانی انڈین نیشنل کانگریس کی شکل میں قبول کریں گے۔ ان حقایق کے پیشِ نظر عوام نے کانگریس کے نام سے دھوکہ کھانے سے انکار کیا اور ریاست میں کانگریس کے قیام کا اعلان کرتے ہی جب قدم قدم پر جموں و کشمیر کے امتیازی وجود کو مٹانے والے اقدامات ہونے لگے تو عوام نے محسوس کیا کہ ریاست کا وجود جو ہندوستان کے فرقہ پرستوں کو کانٹے کی طرح آنکھوں میں کھٹک رہا ہے اس کو ختم کرنے کے لیے ریاست کی موجودہ برسر اقتدار ٹولی نے اپنی رضا کارانہ خدمات پیش کر دی ہیں۔

ترنگے جھنڈے کی آڑ میں جو نام نہاد کانگریس ریاست میں درآمد کی جا رہی ہے اس سے دھوکہ نہ کھایا جائے اور اس نام کی آڑ میں عوام کے حق خود ارادیت کو چھیننے اور عوام کو غلامی کی زنجیروں میں جکڑنے کی جو کوشش ہو رہی ہے اس کو آنکھوں سے اوجھل نہ ہونے دیا جائے اور اگر کوئی بھولا بھٹکا ریاستی باشندہ مکر و فریب کے اس نئے جال کا شکار ہوتا ہے تو اس کو دلائل سے وہ خطرات سمجھائے جائیں جو اس پارٹی کے ہاتھوں قوم اور وطن کو درپیش آسکتے ہیں۔

اس سلسلے میں محاذِ رائے شماری کی ورکنگ کمیٹی حکومت کے ان اقدامات کی مذمت کرتی ہے جو اس نے یہاں کانگریس کی ممبرشپ کے سلسلے میں محاذ کے ارکان کو جگہ جگہ گرفتار کرنے اور عوام کو خوف زدہ کرنے کی صورت میں روا رکھے ہیں۔

یہاں کانگریس کی آمد کشمیر کی انفرادیت کے لیے ایک خطرہ ہے اور ایک بار پھر غیر مبہم طور پر یہ حقیقت واضح ہو گئی ہے کہ

ان فرقہ پرستوں اور رجعت پسندوں کی خواہشات کی قربان گاہ پر پہنچایا جا رہا ہے جو روز بروز تقویت حاصل کرتے جا رہے ہیں، ہم سمجھتے ہیں سیاسی نظریات کا پرچار اخلاقی حدود ترغیب اور آزادانہ رائے سے تجاوز نہ کرے، جہاں تک ان لوگوں کا تعلق ہے جو سرکاری مشنری استعمال کر کے کانگریس کا ممبر بننے کے لیے عوام کو مجبور کر رہے ہیں ان کے ساتھ قطع تعلقات کریں اور کسی کو ان کے ساتھ بات چیت نہیں کرنی چاہیئے قدرتی طور پر اس سے کسی جھگڑے یا تصادم کی گنجائش نہ رہے۔

ہم عوام سے ان کانگریسیوں کے ساتھ "ترک موالات" کرنے کی نصیحت کرتے ہیں۔ ترک موالات کا مطلب کسی شخص کو اس کی غلطی کا احساس دلانا ہے جو شخص آپ کے نظریات کا مخالف ہے اُسے نرمی سے سمجھایا جائے اور کہا جائے کہ وہ ان لوگوں کے ہاتھ میں نہ کھیلے جو

عوام کے مفاد کے خلاف کام کرتے ہیں۔ اس سے لڑائی جھگڑا اور بحث و مباحثہ نہ کرو اگر وہ تم سے متفق نہ ہوں تو پھر تمہیں ان کے ساتھ ترک موالات کرنا چاہیے۔

اگر وہ اپنے رویے پر اصرار کریں تو سمجھنا چاہیے ان کا اور ہمارا راستہ الگ الگ ہے۔ اس صورت میں ان سے تعلقات منقطع کیجیے اور ترک کلام کیجیے۔ ان کے میت کے جنازے میں بھی شرکت نہ کریں"

ان دونوں لیڈران کے اس بیان نے وادی بھر میں ایک ہلچل سی مچادی۔ ملک بھر میں مرکزی سرکار، کانگریس پارٹی اور اپوزیشن نے شیخ عبداللہ اور مرزا افضل بیگ کے ان بیانات کی سخت ترین الفاظ میں مذمت کی، وادی کشمیر میں کانگریسیوں کے خلاف یہ سماجی بائیکاٹ ان کے ساتھ شادی بیاہ اور نماز جنازہ کی ادائیگی کے بائیکاٹ کی بات انتہا تک پہنچ گئی کشمیری عوام کے درمیان نفاق کی صورت حال روز بروز سنگین صورت اختیار کر گئی، وادی میں کانگریسیوں کی تعداد مٹھی بھر تھی اور ترکِ موالات کے اعلان نے ان کو الگ تھلگ کر کے رکھ دیا، ان اقدامات سے وہ خوف زدہ ضرور ہوئے لیکن اپنی پارٹی سے منحرف نہ ہوئے۔

مرکز کی حکمرانی کانگریس پارٹی نے شیخ عبداللہ کی ۱۹۳۵ء سے لے کر ۱۹۵۳ء تک کانگریس کے بارے میں ان کے بیانات اور خیالات اُجاگر کرنے کا ایک سلسلہ شروع کیا، مسلم لیگ کے مقابلے میں کانگریس کو ایمان کی حد تک قبول کرنے کا ان کا کچا چٹھا نکال کر رکھ دیا۔

محاذ کے لیڈر بھی کہاں پیچھے رہنے والے تھے، انھوں نے 'ترک موالات' کی تشریح کر کے ایک طرف کانگریسیوں کا غصہ ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی دوسری طرف کشمیری عوام کو فلسفہ ترک موالات سے واقف کرانے کا ایک سلسلہ شروع کیا۔

۱۵ر جنوری کو حضرت بل کے آستانہ عالیہ پر عوامی اجتماع سے شیخ عبداللہ نے فرمایا:

"..... جو لوگ ہماری صفوں اور محاذ رائے شماری سے باہر ہیں ان کو حُسنِ اخلاق سے سمجھایا جائے کہ تم دشمن (کانگریس) کے ہاتھ میں کھیل کر نہ صرف اپنا بلکہ آنے والی پود کا نقصان کر رہے ہو، ان کے ساتھ جھگڑنا

اور لڑنا نہیں ہے اگر وہ اچھے سلوک سے باز نہ آئے تو ان کے ساتھ ترک موالات کرو کیونکہ یہ لوگ اپنے فائدے کے لیے جان بوجھ کر قوم کو چھوڑ رہے ہیں۔ ترک موالات کی ہدایت پر اس طرح عمل کرو جس طرح کہ جناب محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ان دو صحابہ کے ساتھ کیا گیا تھا جو دشمنوں سے رابطہ رکھے ہوئے تھے، اگر آپ نے میری ہدایت پر عمل کیا تو میں سمجھوں گا آپ میں آزادی حاصل کرنے کی حقیقی خواہش اور تڑپ ہے..... ایسے اشخاص جو عوام کی نمائندگی کا دعویٰ کریں اور انہیں غلامی کی زنجیروں میں مضبوطی سے جکڑنے کا سامان پیدا کریں ایسے عناصر اور آزادی کے دشمنوں کو احساس دلانے کی خاطر ان کے ساتھ ترکِ موالات کریں، ان کے ساتھ سماجی تعلقات منقطع کریں تاکہ ان کو اپنی غلطی کا احساس ہو جائے۔"

۲۹ جنوری کو مجاہد منزل کی ایک تقریب کے دوران انھوں نے جلسے سے خطاب فرماتے ہوئے کہا:

"..... جو لوگ قومی مفاد کے خلاف کام کرتے ہوں اور ہماری آزادی کو ختم کرنے کا ارادہ رکھتے ہوں ان کے پاس جا کر اخلاق اور دلائل سے سمجھاؤ کہ وہ ہمارے دشمنوں (کانگریسیوں) کے ہاتھ مضبوط کر رہے ہیں جس سے وہ نہ صرف اپنے لیے نقصان کا باعث بن رہے ہیں بلکہ اپنے اہل وعیال اور ساری قوم کے لیے باعثِ عذاب بن رہے ہیں۔ ان کو کہو کہ اب بھی وقت ہے باز آجاؤ۔ اور محاذ کے جھنڈے تلے جمع ہو جاؤ جو اس جدوجہد کی نشانی ہے جس کا مقصد اس قوم کو آزاد کرانا ہے۔ ان سے کہو کہ تمہاری ماضی کی غلطیاں معاف کی جائیں گی۔ اگر وہ مان گئے تو ان کی عزت کرو اور ان کو گلے سے لگاؤ۔ اگر انہوں نے نہیں مانا تو پھر ہمارا راستہ الگ اور ان کا راستہ الگ ....."

شیخ عبداللہ کانگریس کی جھونپڑی میں تیل ڈال کر خود حج بیت اللہ کے لیے روانہ ہو گئے، انھوں نے اپنی بیگم اور مرزا افضل بیگ کو بھی اپنے ساتھ لیا۔

فریضۂ حج انجام دینے کے دوران شیخ صاحب نے یورپ ایشیا اور افریقہ کے ممالک

کا دورہ کیا، شیخ صاحب قاہرہ بھی گئے، جہاں افریقی ایشیائی ممالک سے انھوں نے مسئلہ کشمیر کے حل کے لیے ان سے حمایت کی اپیل کی۔ قاہرہ میں شیخ صاحب سے پاکستانی سفیر نے ملاقات کی اور انہیں مشورہ دیا کہ وہ الجزائر میں ہونے والی افریقی ایشیائی کانفرنس میں مسئلہ کشمیر اٹھا کر بیشتر ممالک کی حمایت حاصل کریں۔

شیخ صاحب نے یہ مشورہ قبول کیا، اگلے روز وہ قاہرہ سے الجزائر روانہ ہو گئے۔ پاکستانی سفیر نے قاہرہ ہوائی اڈے پر الجزائر کے لیے روانگی پر انھیں ایک چیک پیش کیا جو ہندوستانی کرنسی میں تقریباً ایک لاکھ روپے کے قریب تھا۔

الجزائر پہنچ کر شیخ صاحب اور ان کے ساتھیوں کا خوب استقبال کیا گیا۔ الجزائر میں اپنے قیام کے دوران شیخ صاحب وہاں کی حریت پسند فاتح قیادت سے بھی ملے البتہ یہاں انھوں نے کانفرنس میں شمولیت کرنے سے اجتناب کیا۔

الجزائر میں قیام کے دوران صدر بن بیلا نے شیخ صاحب کو اپنے ساتھ شہید مزار پر لیا۔ کئی میل تک پھیلا ہوا یہ شہید مزار دکھانے کے دوران صدر نے شیخ صاحب، بیگ صاحب اور بیگم صاحبہ کو اپنے گھر اور اپنے خاندان کے افراد کی چالیس قبریں دکھائیں۔ صدر بن بیلا نے شیخ صاحب سے پوچھا:

"کشمیر میں تحریکِ حریت کے دوران آپ کے گھر اور خاندان کے کتنے افراد اب تک شہید ہو چکے ہیں۔؟"

جب شیخ صاحب سے کوئی جواب نہیں بن پڑا تو صدر نے ان سے مخاطب ہو کر فرمایا۔

"لگتا ہے آپ نے قربانی نہیں دی، آپ کا کوئی قربان نہیں ہوا آزادی کیسے حاصل کر سکیں گے آپ؟"

الجزائر میں پاکستانی سفارت کار نے شیخ صاحب کو چین کے وزیر اعظم چو این لائی سے ملا دیا۔ چو این لائی نے دوران ملاقات کشمیر کی تحریکِ حریت کے لیے نہ صرف اپنا بھرپور تعاون پیش کیا۔ بلکہ شیخ صاحب کو چین آنے کی دعوت بھی دی، جو انھوں نے قبول کر لی۔ اس خبر کی تشہیر کے ساتھ ہی پاکستان میں ذوالفقار علی بھٹو نے شیخ صاحب کو چین کے دورے کے سلسلے میں پاکستانی پاسپورٹ دینے کی پیش کش کی۔

شیخ محمد عبداللہ اور مرزا محمد افضل بیگ اس دورے کے دوران جن بین الاقوامی شخصیات اور سربراہانِ مملکت اور وزرائے اعظم سے ملے ان میں فرانس کے صدر، انگلستان کے وزیر اعظم کے علاوہ شہزادہ عبدالعزیز، الجزائر کے صدر بن بیلا، چین کے وزیر اعظم چو، این، لائی الجزائر کے وزیر خارجہ بوطوفیقا، کرنل حوری بومدین، مصر کے صدر کرنل ناصر، عراق کے سابق وزیر اعظم ڈاکٹر فاضل جمالی، فلسطین کے مفتیٔ اعظم امین الحسینی پاکستان کے ڈاکٹر فضل الرحمان، ایر مارشل نورخاں، مصر کے نامور اخبار الاحرام کے ایڈیٹر حسن ہیکل وغیرہ شامل ہیں "مسئلہ کشمیر" پر ان سے تبادلۂ خیال کیا۔

چین کے وزیر اعظم چو این لائی کے ساتھ شیخ عبداللہ کی بات چیت کا جب اخبارات اور ریڈیو کے ذریعے چرچا ہوا تو وزیر اعظم ہند لال بہادر شاستری نے ہندوستان کے دشمن کے ساتھ شیخ صاحب کی اس ملاقات کا سخت نوٹس لیا۔ مرکز کے دیگر وزراء اور اپوزیشن لیڈروں نے شیخ عبداللہ کو حج بیت اللہ کے ساتھ دیگر ممالک میں جانے کی اجازت پر وزیر اعظم کو خوب آڑے ہاتھوں لیا، چنانچہ حکومت ہند نے شیخ عبداللہ اور ان کے ساتھیوں کی سرگرمیوں اور ان کے بیانات کی سنجیدہ نوٹس لے لیا اور انھیں ۳۰ اپریل ۱۹۶۵ء تک واپس بھارت آنے کی ہدایت دی گئی۔

شیخ صاحب، مئی ۱۹۶۵ء کو اپنا دورہ مختصر کر کے دہلی کے پالم ہوائی اڈے پر جہاز سے اُترے تو ڈی، آئی، آر کے تحت انہیں نظر بند کیے جانے کا حکم سنایا گیا۔

ایک دوسرے جہاز کے ذریعہ شیخ عبداللہ اور مرزا افضل بیگ کو ایک پُرفضا مقام اوٹاکمنڈ پہنچایا گیا، جہاں ایک شاندار کوٹھی میں انھیں نظر بند کیا گیا۔



(شیخ عبداللہ اور مرزا افضل بیگ)

بیگم شیخ محمد عبداللہ کے لیے کشمیر میں داخلہ ممنوع قرار دیا گیا۔

شیخ محمد عبداللہ اور ان کے دست راست مرزا افضل بیگ کو الجزائر میں وزیر اعظم چو این لائی کے ساتھ ملاقات کرنے کا مورد الزام ٹھہرایا گیا۔ لندن، پیرس، قاہرہ اور الجزائر میں ان کی تقریروں

اور بیانات کو قابلِ اعتراض گردانا گیا۔

اپنے دورے کے دوران مختلف مقامات پر انھوں نے کہا تھا:

"..... میں اس بات کو واضح کر دینا چاہتا ہوں ایک انسان کو آزادی اور شہریت کے جو بنیادی حقوق حاصل ہیں اور جو انسانی تہذیب و تمدن اور ترقی کے سنگ میل ہیں یہ انہی کے استعمال اور استفادہ کا نتیجہ ہے کہ انسان جہالت کی تاریکیوں سے نکل کر روشنی اور ترقی کی طرف پیش قدمی کر رہا ہے لیکن بدقسمتی سے کشمیر کے عوام کے لیے ان حقوق کے آزادانہ استعمال پر مہر لگا دی گئی ہے اور اس ریاست کے قوانین، قواعد اور ضوابط جو گورنمنٹ آف انڈیا کے اختیارات سے ماخذ ہیں ان کے متعلق لمبے چوڑے دعوے کیے گئے اور دنیا بھر میں ڈھنڈورا پیٹا گیا کہ ان بنیادی حقوق کا ہر اعتبار سے احترام کیا جائے گا۔ چنانچہ اس اعلان کے بعد مبینہ لبرل پالیسی میں ایک خوشگوار فضا پیدا ہوتی گئی لیکن دہلی اور ریاست کے برسر اقتدار افراد نے حقائق سے گریز کرنے کی عادت اور کشمیر کی آزادی کو اپنے لیے ناقابلِ برداشت تصوّر کرنے والے عناصر کے زیر اثر اپنے ان اصلی ارادوں کو بے نقاب کیا، جس کا مقصد بجز اس کے اور کچھ نہیں کہ انسانی حقوق کے استعمال کو حکمرانوں کی خواہشات اور مرضی کے تابع قرار دیا جائے۔ لیکن ہم نے فیصلہ کر لیا ہے کہ ہم اپنے عوام کے لیے حق خود ارادیت حاصل کر کے ہی دم لیں گے ہم ریاست میں بھارت کی بالادستی کو کسی بھی صورت میں قبول نہیں کریں گے۔" (لندن)

"..... گزشتہ اٹھارہ سال سے مسلسل عوام کے اس بنیادی حق کو ٹالا جا رہا ہے جو فلسفہ سیاست کے تمام اصول و ضوابط کی بنا پر مسلمہ طور پر ریاست کے لوگوں کا بنیادی حق ہے۔ اس طویل زمانے میں ریاست کے اندر اور ریاست سے باہر حتّٰی کہ بین الاقوامی سطح پر انتہائی شدید سعی و عمل کے ذریعے اس پریشان کن مسئلے کو سلجھانے کی کوشش کی گئی اور آج

انجمن اقوام عالم میں مسئلہ کشمیر پر دفتری ریکارڈ کے جو بڑے بڑے انبار لگے ہوئے ہیں وہ اپنی وسعت اور حجم کے لحاظ سے باقی تمام مسائل پر لکھی گئی تحریرات کو مات دے رہے ہیں، طوالتوں، تاخیروں اور ٹال مٹول میں الجھائے ہوئے اس پُر درد اور تکلیف دہ انسانی مسئلہ نے اس دوران میں بے شمار دوسری خرابیوں اور پیچیدگیوں کو بھی جنم دیا ہے، ہندوستان کے اندر جو رجعت پسند اور انتہا پسند عناصر ہیں وہ اس مسئلہ کی طوالت کے نتیجے میں طاقتور ہوتے جا رہے ہیں جس کے نتیجہ میں برصغیر کے اندر ایک قسم کی جنگی ذہنیت معاندانہ خصومت اور کشیدگی نیز بے اطمینانی کی فضا ایک خطرناک حد تک جا پہنچی ہے۔" (پیرس)

"..... ریاست کے عوام جن پر اس افسوسناک صورت حال کا براہ راست اور فوری اثر ہے اور جس بے یقینی اور تعطل کے نشانہ بنائے جا چکے ہیں وہ بدترین مصائب و آلام کا ہدف بنے ہوئے ہیں ان کا دل و دماغ اور ان کی قوت و فکر خوف و ہراس سے مغلوب ہو چکی ہے اور اُن کی نظروں کے سامنے مایوسی کی تاریکیاں بکھری ہوئی ہیں خوف ہراس اور بے یقینی کی اس کشمکش نے جمہوریت کی نشوونما اور لوگوں کے اقتصادی، سیاسی اور معاشرتی ترقی کے لیے کوئی گنجائش ہی نہیں باقی چھوڑی، یہ مسئلہ کشمیر کے وجود کا ہی افسوس ناک نتیجہ ہے کہ اس برصغیر کے دو بڑے ملک یعنی ہندوستان اور پاکستان جن کی بہت سی باتیں آپس میں مشترک ہیں عالمی امور میں ایک دوسرے سے جداگانہ اور مختلف طرزِ عمل اختیار کرنے پر مجبور ہو چکے ہیں۔" (قاہرہ)

"..... نئی دہلی کے برسر اقتدار لوگوں نے مصلحتوں کے پیش نظر رائے عامہ کے ذریعے مسئلہ کشمیر کو طے کرنے کے بارے میں عوام سے ملکی اور بین الاقوامی سطح پر کیے ہوئے قول و قرار سے انکار کیا اور اپنے وعدے

پورا کرنے سے بے اعتنائی برتی، چنانچہ اگست ۱۹۵۳ء میں سلامتی کونسل کے فیصلوں کو بالائے طاق رکھ کر اور لوگوں کے اس حق خود ارادیت سے جس کے لیے انھوں نے سال ہا سال قربانیاں دیں تھیں۔ انحراف کیا، اخلاق انسانیت کی قدریں پامال کر کے یہ سب کچھ اس لیے کیا گیا تاکہ ہندوستان کے اندر فرقہ پرست اور رجعت پسند عناصر کی خوشنودی حاصل کی جائے اور اس طرح ترقی پسند اور آزاد خیال عناصر کے ابھرنے اور آگے بڑھنے کے سارے امکانات روک دیئے گئے۔" (الجزائر)

"..... مسئلہ کشمیر کے ساتھ جو بنیادی حقیقت وابستہ ہے وہ ہے اخلاق اور متمدن تصورات کے سرچشمے سے پھوٹ کر نکلا ہوا حق یعنی خود ارادیت۔ اگر دنیا میں محض طاقت، اقتدار اور فوج کی کارفرمائی ہی کو آخری حل قرار دیا جائے اور لوگوں کے پیدائشی حق سے انہیں اختیارات اور اقتدار کے بل بوتے پر روگردانی جائز رکھی جائے تو ایک وقت ایسا آئے گا جب جنگ و جدل اور طاقت کے بل بوتے پر ہی انسانی امور طے ہونے لگیں گے۔ اس طرزِ عمل کو دورِ حاضر میں برداشت ہی نہیں کیا جا سکتا جس کا مقصد سب کو نفرت اور تشدد کی طاقتوں کے قبضے میں دے دینا ہے۔

کشمیر کے عوام کو امن و اطمینان کی زندگی جبھی حاصل ہوگی جب انہیں تسلیم شدہ طریقہ کار یعنی آزادانہ رائے شماری کے ذریعے اپنے مسلمہ حق یعنی خود ارادیت کے استعمال کا موقع فراہم ہوگا۔ صرف اسی طرح مسئلہ کشمیر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے حل ہو کر رہ جائے گا اور تمام متعلقہ فریقوں کے درمیان مفاہمت خیر سگالی اور دوستی کے امکانات روشن ہو سکیں گے۔" (سعودیہ عربیہ)

شیخ محمد عبداللہ اور مرزا افضل بیگ نے بیرونی ممالک کے بڑے بڑے شہروں میں اپنے خیالات کا برملا اظہار تو کیا لیکن جب کسی بھی جانب سے ان خیالات کی روشنی میں [illegible] کے ساتھ ہمدردی نہیں جتائی گئی اور نہ ہی کسی نے ان بیانات کی نوٹس لی، حد تو یہ

ہے کہ ملکی اخبارات نے سرسری طور پر انہیں درج تو کیا لیکن ان پر نہ کوئی تبصرہ کیا اور نہ ہی کچھ چرچا ہوا۔ اس صورت حال سے دونوں لیڈر حیران و پریشان ہو گئے۔

ہو سکتا ہے یہ دونوں یہ بھی سوچنے لگے ہوں آج ہماری آواز میں کیا اثر نہیں جو ہماری طرف کوئی اخبار خاص دھیان نہیں دے رہا ہے۔

یہ دونوں لیڈر شاید اُس گڈریے کی کہانی بھول چکے تھے۔ جو بھیڑ اور بکریاں چرانے جنگل جایا کرتا تھا اور وہاں سے گاؤں والوں کو چڑانے کے لیے 'شیر آیا، شیر آیا' پکارتا تھا گاؤں والے اس کی چیخ و پکار پر اس کو بچانے کے لیے فوراً جنگل کی طرف دوڑ پڑتے تو یہ گڈریا ہنس کر ان کا مذاق اُڑایا کرتا تھا۔ ایسا ہی ایکبار نہیں بلکہ کئی بار ہوا۔

ایک روز سچ مچ شیر آگیا اور گڈریا پھر "شیر آیا، شیر آیا" پکارنے لگا لیکن کسی نے بھی اس کی آواز پر دھیان نہیں دیا۔ نتیجہ کے طور پر شیر نے نہ صرف اس کا خون چوس لیا بلکہ اس کی بوٹیاں بھی چبا لیں۔

شیخ ۱۹۴۸ء میں اسی طرح کشمیری عوام کی آزادی اور حق خودارادیت کے لیے چلایا تو دیگر ممالک کے ساتھ انجمن اقوام متحدہ نے مداخلت کر کے اپنے نمائندے بھیجے، شیخ صاحب نے یہاں ان کا جو مذاق اڑایا وہ اس گڈریے سے ہرگز کم نہیں۔

۱۹۴۸ء سے لے کر ۱۹۵۳ء تک جو بھی مسئلہ کشمیر حل کرنے کے لیے یہاں آیا اس کو ناکام و نامراد واپس لوٹانے میں شیخ عبداللہ نے جو بھی رول ادا کیا اس کو کون بھول سکتا۔ وہ جانتے تھے، شیخ صاحب آج جس حق خودارادیت اور رائے شماری کا واویلا کر رہے ہیں۔ اس کے یہی کٹر دشمن رہے ہیں، انجمن اقوام متحدہ کے در و دیوار گواہ ہیں وہ رائے شماری اور حقِ خودارادیت کے زبردست مخالف تھے۔

یہ شیخ عبداللہ ہی تھے جنہوں نے کشمیری عوام کی "حق خودارادیت" چوری کر کے بھارت کو فروخت کی۔ اب یہی شخص "حق خودارادیت" کھونے کی رپورٹ لکھوانے تھانے میں جاتا ہے۔

بیرونی دنیا میں جا کر شیخ عبداللہ نے بھارت کے خلاف جو کچھ بھی کہا اس سے صاف ظاہر ہے کہ ان کی نظر میں بھارت ایک ظالم و جابر ہی نہیں غاصب بھی ہے۔ لیکن پوچھا جا سکتا ہے۔ جیل سے چھوٹ کر جب آپ دہلی وزیر اعظم سے ملنے گئے تب اسی بھارت

کے بارے میں یہ کیوں کہا گیا:۔

"بھارت کے ساتھ ہمارا کوئی بنیادی اختلاف نہیں ہے، مسئلہ کشمیر طے شدہ ہے۔ ہم اپنے بارے میں بھارت سے باہر کچھ سوچ بھی نہیں سکتے۔"

دُنیا والے ان حالات سے ہرگز غافل نہیں تھے۔ اسی لیے وہ ان کی چیخ و پکار کو مجذوب کی بڑ سے تعبیر کرنے لگے۔

شیخ عبداللہ نے حج بیت اللہ کی واپسی پر مرکزی سرکار کی اس حرکت پر رائے زنی کرتے ہوئے فرمایا:

"جب ہم نے ہندوستان کی طرف رُخ کیا تو حکومت یہ طے نہ کر سکی تھی کہ کیا کرنا چاہیے۔ اس سلسلے میں دلچسپ بات یہ ہے کہ کشمیر سے مولانا محمد سعید مسعودی ہم کو سندیش بھیج رہے تھے کہ آپ کا وطن واپس آنے کے بجائے باہر رہنا ٹھیک رہے گا۔ مولوی صاحب شاید ہمیں منظر سے ہٹا کر اپنی قیادت کا بجھا ہوا چراغ جلانا چاہتے تھے کیوں کہ ہمارے ہوتے ہوئے ان کی دال نہیں گلتی تھی۔"

مولانا مسعودی نے شیخ صاحب کے ان خیالات کو جھٹلا کر اسے ان کی دماغی اختراع قرار دے کر اس دلیل کو مسترد کر دیا۔

شیخ صاحب نے اس واقعہ کے بارے میں اپنی کتاب "آتشِ چنار" میں بتایا ہے:

"اُدھر ہمیں ہندوستانی سفارت خانے کی طرف سے بتایا گیا کہ اگر ہم فوری طور پر دورہ ادھورا چھوڑ کر واپس نہ لوٹے تو ہمارا پاسپورٹ منسوخ کر دیا جائے گا اور ہمارے سفر کی دستاویزات کی توسیع بھی نہیں کی جائے گی۔ بہر حال ہم نے بھارت واپس جانے کا فیصلہ کر لیا۔

ہندوستان میں ہمارے خلاف ایک سوچی سمجھی سازش کے تحت مہم چلائی جا رہی تھی۔ کشمیر میں محاذ رائے شماری کے خلاف پولیس ایکشن شروع ہو گیا تھا۔ حج پر روانہ ہونے سے پہلے میں نے عوام سے کہا تھا کہ وہ اُن کالی بھیڑوں سے جو قوم کے جسم سے جونکوں کی طرح چمٹی ہوتی ہیں اور اس کا خون پی پی کر موٹی ہو رہی ہیں کوئی واسطہ نہ رکھیں اور ان کے ساتھ ترک